الا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون

تذکرۃ الاحمد بتوفیق الاحد

بعنوان

خزینۂ حق

از تالیف

فاضل جوان حضرت مولانا ابو النصر محمد ریاض الدین معروف به
حلوا خان صاحب صدر مدرس وخطیب دربار عالیہ قدسیہ میرا شریف

باہتمام تام جناب سید ولایت شاہ صاحب مدظلہ العالی زیب آستانہ
ڈیرہ بابا پیر حبیب شاہ صاحب داخلی چادلی

([illegible] پشاور)

بیادگرامی شیخ طریقت مرکز شریعت آفتاب رشد و ہدایت حضور خواجہ احمد صاحب میری رحمۃ اللہ علیہ

فضل رب دو جہاں سے دیکھتے ہیں ہم جہاں　　خواجہ احمد کے جلوے دیکھتے ہیں ہم وہاں

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

تذکرۃ الاحمد بتوفیق الاحد

بعنوان

خزینۂ حق

از تالیف فاضل جوان حضرت مولانا ابوالنصر محمد ریاض الدین

معروف بہ گلاب خان صاحب صدر مدرس و خطیب

دربار عالیہ قدسیہ میرا شریف

باہتمام خاص جناب سید ولایت شاہ صاحب مدظلہ العالی زیب آستانہ ڈیرہ بابا

پیر حبیب شاہ صاحب داخلی چاولی

جناب عبدالقیوم عبدالرشید صاحبان ولد جناب محمد سلیم خان عطر مرچنٹ بازار کلاں پشاور

زیر سرپرستی پیر طریقت حامیٔ سنت فیض درجات زیب آستانہ عالیہ سیف میرا شریف

تقریظ

۱. استاذ العلماء مولانا مفضل حق صاحب خطیب اعظم فتح جنگ، بعد حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام کے فقیر نے بعض مقامات سے کتاب خزینۂ حق کو دیکھا، بفضلہ تعالیٰ اسم با مسمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف عزیز کی سعی کو قبول فرمائے آمین

دعاگو مفضل حق خطیب فتح جنگ

—— ۲ ——

حضرت علامہ جناب مولانا محمد عثمان غنی صاحب آف چاولی تصحیح کنندہ خزینہ حق

خواجہ احمد میروی رح کے ملفوظات، کرامات، معمولات کے تدوین و تالیف کا کام گو اس سے قبل بھی چند بزرگوں اور دربار میرا شریف سے عقیدت رکھنے والے احباب کی جدوجہد سے منظر عام پر آ چکا ہے مگر فاضل مؤلف خزینہ حق حضرت علامہ محمد ریاض الدین صاحب مدظلہ صدر مدرس دار العلوم اسلامیہ میرا شریف تعریف و تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے انتہائی تحقیق کے ضروری ترامیم کے ساتھ سوانح غریب نواز کو اچھوتے انداز اور شستہ زبان میں پیش کیا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کے اشہب قلم کو میدان تحریر میں زیادہ جولانی کی توفیق نصیب کرے۔ آمین، ثم آمین

دعاگو

محمد عثمان غنی خطیب چاولی تحصیل چکوال

ضلع جہلم

—— ۳ ——

حضرت مولانا علامہ ابو الفتح محمد دین صاحب جھنگوی خطیب اعظم

حمد و ثنا صلوٰۃ و سلام کے بعد فقیر خزینۂ حق دیکھنے کے بعد دست بدعا ہے کہ الٰہا جس طرح تو نے مولف صاحب کو اس کے تزئین و ترتیب کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح تو اسے زیورِ قبولیت سے بھی مزین فرما۔

دعاگو

محمد دین جھنگوی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	سبب تالیف	۱
۲	ایک شاہ کا بلاوجہ قصہ	۱۸
۳	خواجہ صاحب کے استاد کی بیماری و وصال	۲۲
۴	محمد یعقوب و احمد یار کی محبت	۲۵
۵	خواجہ صاحب کے آرائیہ طریق کار	۲۷
۶	حضرت فاضل شاہ صاحب گڑھی والوں سے رابطہ	۲۸
۷	وجہ تسمیہ میر اشریعت حضرت خواجہ صاحب	۳۱
	بیعت آدمی	۳۶
۹	حضرت خواجہ گل محمد کی خلافت اور بیعت کے لئے اجازت	۳۹
۱۰	خواجہ میروی کے کرامات	۴۰
۱۱	ایک تھانیدار کا واقعہ	۴۶
۱۲	سماع کے حالات مزامیر	۴۷
۱۳	ایک جابرہ کا مذکرہ مع تشریح	۵۶
۱۴	مصر کے آداب بزبان فیض یا سب	۶۶
۱۵	نماز میں بے نظیر زکات	۶۸
۱۶	شاہ ابراہیم ادہم کا واقعہ	۶۹
۱۷	مدینہ منورہ سے بشارت	۷۱
۱۸	بزرگان دین کے تصرف	۷۳
۱۹	استعداد و قابلیت کے مطابق عطا	۷۴
۲۰	بیعت ثانی کے متعلق حضرت کا ارشاد	۷۶
۲۱	مدنی تاجدار کا بے حد احترام	۷۹
۲۲	تقویٰ و پابندی جماعت	۸۰
۲۳	کرامات غریب النواز	۸۱
۲۴	شیر کا عجیب و غریب واقعہ	۸۳
۲۵	اظہر من الشمس واقعہ	۸۵
۲۶	علاقہ لیہ میں حضرت کی سلطنت	۸۶
۲۷	سلطان محمود نمبردار و سکندر خان کا واقعہ	۸۹
۲۸	ایک دعا سے رزق ملا	۹۰
۲۹	مولوی احمد دین و مراثی کی کہانی	۹۱
۳۰	کھانے میں برکت بطفیل عظیم البرکت	۹۲
۳۱	پنڈ سلطان اسٹیشن پر دعوت و جامع مسجد راولپنڈی کا سنگ بنیاد	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۲	ایک زیارت سے سوٹیاں (لاٹھیاں) کاٹنے کا واقعہ	۹۴
۳۳	اُن کی دعا پوچھتے ہو کیا	۹۵
۳۴	دفانہ رہا غم بھی جاتا رہا	۹۷
۳۵	خدایا خیر دعا کے بغیر	۹۸
۳۶	خدا تعالےٰ کی یاد (ایبٹ آباد کے علاقہ میں)	۹۹
۳۷	شہادت کی کہانی بزرگوں کی زبانی۔	۱۰۰
۳۸	رام اور رانی سنو یہ کہانی	۱۰۲
۳۹	غلاموں کے مقابلے گستاخوں کا ذکر	۱۰۴
۴۰	پشاور میں ضیاپاشیاں	۱۰۷
۴۱	پیر طریقت کی رد زنی	۱۰۸
۴۲	خواجہ کی دعا واہ۔ واہ۔ واہ	۱۱۰
۴۳	حضرت خواجہ کا وصال	۱۱۲
۴۴	مالک حقیقی سے وصال کی تیاریاں	۱۱۴
۴۵	وصیت نامہ	۱۱۵
۴۶	حضرت مولانا احمد خان کے حالات	۱۱۶
۴۷	حضرت ثانی کے معمولات	
۴۸	وصال بے زوال	
۴۹	موجودہ حضرت سجادہ نشین صاحب	۱۲۳
۵۰	آپ کی باطنی توجہ کا ایک واقعہ	۱۲۶
۵۱	حضرت صاحب کی شادی اور اولاد	۱۲۷

سببِ تالیف

حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت محتاجِ بیان نہیں آپ کی ولایت مقدسہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ آپ کے فیوض و برکات مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دُنیائے ولایت میں آپ کی شہرت و فضیلت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے اور آپ کے کمالات و کرامات ریت کے ذروں کی طرح چار دانگ عالم میں بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ کی سیرت کو اپنے پیر بھائیوں کے لئے خصوصاً اور جمیع اہل اسلام کیلئے عموماً بیان کر دینا ایک ذی شان امر ہے۔ اس لئے کہ اللہ والوں کے کردار دنیائے اسلام کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں اور ان کے کمالات کرامات کا ذکر سُن کر اہل ایمان کے ایمان تازہ ہوتے ہیں۔ ان اہم امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حقیر نے حضرت موصوف کی سیرت و سوانح لکھنے کا قصد کیا۔ میں ابھی تک ارادہ ہی کر رہا تھا۔ کہ اس مبارک موضوع پر قلم اٹھاؤں یا کچھ تدبر سے کام لوں تو اچانک صاحبزادہ محبوب ... صاحب مدظلہ نے مجھے اس بابرکت کام پر مجبور کیا۔ باوجود قلتِ وقت

حقیر نے بعد از نماز جمعہ توکل علی اللہ افتتاح کی اب اسی خالق ذوالجلال سے دعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حضرت علیہ الرحمۃ کے سب سے پہلے سیرت نگار جناب مولانا محمد نواز صاحب ساکن کوٹ جائی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان ہیں۔ آپ تقریباً تیس سال حضرت رحمۃ علیہ کے ساتھ رہے، آپ عالم دین خصوصاً فارسی نظم و نثر میں کامل مہارت رکھتے تھے انہیں خواجہ صاحب سے انتہائی محبت و عقیدت تھی اس لئے انہوں نے شادی اور دنیا کے کاروبار کو ترک کر کے اپنے پیر کامل کے زیر سایہ رہنا پسند فرمایا تھا۔ عموماً ان کا قیام میرا شریف ہی ہوا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کے وصال کے بعد اپنے وطن کوٹ جائی تشریف لے گئے تھے اور باقی ایام زندگی وہیں گزارے اور درس و تدریس میں حسب سابق مشغول رہے بالآخر داعی اجل کو لبیک کہہ کر مالک حقیقی سے جا واصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ انہوں نے خواجہ علیہ رحمۃ کا "تذکرہ فارسی زبان میں لکھا تھا اور "تذکرہ نگاری میں اپنی پوری عقیدت کا اظہار فرمایا۔ مولنا عنایت اللہ چشتی صاحب چکڑالوی کا ایک مسودہ حقیر نے دیکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے خود ان کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا، زبان فارسی پر آپ پوری طرح قادر تھے، لیکن قضائے الٰہی سے وہ "تذکرہ لباس اشاعت سے محروم رہا۔ بعد از وصال حضرت خواجہ جب حضرت ثانی صاحبؒ جانشین ہوئے، تو جناب مولانا انور حسین صاحب فتح جنگی نے اس "تذکرے کو نئی ترتیب دے کر زیور ت سے مزین فرمایا اور بشارت الابرار کے نام سے موسوم فرمایا۔ بعد

ازاں جناب سید کرم حسین صاحب دوالمیال والے نے جنہیں خواجہ صاحب سے بے حد عقیدت ہے ایک تذکرہ بنام ذکر ولی جو دراصل بشارت الابرار ہی کا ترجمہ ہے مع معمولی اضافہ کے اردو زبان میں مرتب فرمایا۔ ہمیں اس غرض نہیں کہ مولنا محمد نواز صاحب کے مسودے کو نئی ترتیب کیوں دی گئی اور مولنا محمد حسین صاحب نے اسے نیا جامہ کیوں پہنایا۔ البتہ مقولے معروف ذکر مومنین کو نیک گمان کرنا چاہیئے، کے تحت اس میں کوئی حکمت ایسی ہوگی جسے انہوں انہوں نے ملحوظ رکھا ہو۔

باقی رہا ذکر ولی تو اس کی ترتیب و تالیف کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلا تذکرہ فارسی زبان میں تھا لہذا آسانی کے لئے اسے اردو جامہ پہنانا ہی مناسب تھا۔ جن حضرات کوششیں فرمائیں اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب سے مالا مال فرمائے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے تذکرہ نگاروں سے مولنا نصیر الدین صاحب بریلی بھی تھے جنہوں نے گلدستہ نصیریہ مرتب فرمایا۔ اس کتاب میں کچھ حالات حضرت خواجہ احمد میروی علیہ الرحمۃ کے درج ہیں اور کچھ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور بعض احوال موجودہ حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ العالی کے علاوہ ان کے بعض حالات مؤلف موصوف سے متعلق ہیں۔ بہر حال مذکورہ بالا سب حضرات حضرت علیہ الرحمۃ کے تذکرہ نگاروں میں شامل ہیں اور جب اتنی تالیفات آپ کے کمالات میں لکھی جا چکی ہیں تو اب حقیر پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تمہارے تذکرہ لکھنے کا کیا سبب ہے۔ کیا پہلے تذکروں میں کوئی یا کوئی اور وجہ ہے تو اس کے جواب میں عرض حقیر یہ ہے کہ ہم نے

سُنا ہے کہ اولیاء اللہ کا ذکر تذکرہ کرنے والوں پر رحمت برستی ہے اور رحمت خداوندی کا ہر شخص خواہاں ہے لہذا حقیر بھی اس کا طالب ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تذکرے چونکہ کئی دفعہ طباعت میں آچکے ہیں اور احباب بار بار ان کا مطالعہ فرما چکے ہیں۔ لہذا اگر کسی مجھ جیسے کم فہم آدمی کے ذہن میں مذکورہ تذکروں کی اس طرح محبت نہ رہی ہو جس طرح ہونی چاہیئے تھی تو حقیر نے انہیں بزرگوں کے فرمودات کو نیا جامہ پہنانے کی کوشش کی تاکہ لوگ کل جدید لذیذ کے تحت انہی مبارک تذکروں کا مضمون دوبارہ دیکھ کر اس ذہنی بدگمانی سے بچنے کی کوشش کریں اور مذکورہ تذکروں کو ہمیشہ محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حقیر کے یہ حروف قبول فرمائے اور اپنے مقبولان بارگاہ کے طفیل اس تذکرے کو زیور قبولیت سے نواز دے۔ فالیہ المشتکیٰ منہ الابتداء والیہ الانتہیٰ

راقم الحروف سگ دربار

حضرت شاہ اعظم لائلپوری علیہ الرحمۃ

ابو النصر محمد ریاض الدین جمال صدر مدرس و خطیب

دربار عالیہ چشتیہ میرا شریف

یا اللہ جل جلالہٗ　　　　　　　　　　　　یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم)

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید فی حق عبادہ الصالحین اولیاء الکاملین

(اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ)

سُن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

(ترجمہ اعلیٰحضرت قدس سرہ)

اللہ تعالیٰ کے ولیوں میں سے ایک کامل ولی یعنی حضرت خواجہ احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اب حقیر بیان کرنا چاہتا ہے۔ حضرت موصوف کا اصلی وطن بقول مؤلف بشارت الابرار ملک دریائے چناب تھا اور سکھوں کے زمانہ میں ان ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر آپ وہاں سے ہجرت فرما ہوئے اور مع پوری قوم کھوکھر کے ملک کوہستان میں تشریف لائے اور آپ کے جد امجد نے بلوچوں کے قبیلے میں سے جنہیں بزدار کہا جاتا تھا ایک پاکیزہ عورت سے نکاح کیا

شعر۔

جد ظلم کمایا ظالم لوکاں تے نکلے اللہ والے

تے اپنے آپ نوں کر بیٹھے مولا دے حوالے

واہ وے پاک پیر میرے دے کیتی آ کے شادی

وچہ بلوچستان دے ہوئی آبادی

آپ کے تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس مذکورہ بالا پاکیزہ خاتون کے بطن سے حضرت خواجہ کے والد محترم پیدا ہوئے آپ کا نام برخوردار رکھا گیا۔ آپ جب جوان ہوئے تو انہوں نے بھی اُسی قبیلے کی ایک نیک بخت خاتون سے جن کا نام نامی حوّا تھا عقد کیا کتنی ہی خوش قسمت تھیں وہ بی بی کہ جن کے بطن سے خواجہ احمد میروی جیسے شہباز طریقت پیدا ہونے والے تھے کیا ہی خوب فرمایا ہے سعدی علیہ الرحمۃ نے ؎

بہ بدبختی و نیک بختی قلم — مگر دیدہ ماہچناں در شکم

یعنی نیک بختی اور بدبختی پیدائش کے بعد نمودار نہیں ہوتی بلکہ قادر مطلق نے پہلے سے ہی قانون مرتب فرما دیا ہے مائی حوا کے کُل تین بچے تھے، دو لڑکے اور ایک لڑکی لڑکوں میں سے ایک کا اسم گرامی احمد دوسرے کا یعقوب تھا۔ محمد یعقوب بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ کے جد امجد کا وصال انوکھے طریقہ سے ہوا۔ اس کا ذکر اشعار میں پڑھیے۔ راقم الحروف عرض رساں ہے ؎

تھا فیصلے نے ہمیں جا لیا — قضائے الٰہی نے گھیرا کیا
بارش ہوئی کتنے میلوں سے دور — پانی مگر کر رہا تھا عبور
چلتے اُچھلتے قریب آ گیا — لکھا تھا جو ان کا نصیب آ گیا
ساتھی انہیں پھر بُلانے لگے — وہ ان کی آوازوں پہ تڑپنے لگے
نکل گئے پانی سے باقی تو سب — باقی رہے پر جد امجد
کہنے لگے وہ کنارہ ہے دور — پانی سے مشکل ہے میرا عبور

آخری وقت وصیت فرما گئے کہ میری نعش کو تلاش کر کے شریعت

محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کفن و جنازہ کر کے یہیں دفنا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے جدا مجد کا ذکر سُن لینے کے بعد اب آپ کے والد ماجد کی کہانی خواجہ صاحب کی زبانی سُنیئے ۔ فرماتے ہیں کہ میرے والد محترم کی دائمی عادت مبارک یہ تھی کہ اپنے اوراد و وظائف کر کے جنگل بیابان میں تشریف لے جاتے تھے اور جب خالق کائنات کا عشق و محبت آپ پر غلبہ کر جاتا تو آپ وجد میں آ جاتے اور بے اختیار روتے ، آہیں بھرتے ۔ چونکہ میں اس وقت کم سن اور نا سمجھ تھا ۔ اپنے والد مرحوم کو مذکورہ حالت میں دیکھ کر میں بھی رونا شروع کر دیتا تھا اور جب آپ کو بعد از اضطراب افاقہ ہوتا تو از راہ شفقت میرے سر پہ ہاتھ پھیر کر مجھے تسکین سے نوازتے اور اکثر اوقات مجھے معلوم ہی نہ ہونے دیتے اور آپ برائے یاد الٰہی جنگل میں تشریف لے جاتے ۔ آپ کا سلسلہ حضرت پیر طریقت آفتاب ہدایت حضور خواجہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ سے منسلک تھا اور اپنے شیخ طریقت کی زیارت کے لئے اکثر تونسہ شریف تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ آخری دفعہ زیارت سے فارغ ہو کر جب وطن واپس تشریف لے جا رہے تھے تو جب تونسہ شریف سے تقریباً دو کوس دور موضع منگروٹھ پہنچے اتفاقاً وہاں بیمار ہو گئے اور اسی مرض سے مذکورہ بستی میں آپ کا وصال ہو گیا

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے
قید سے چھوٹے تو اپنے گھر گئے

آپ کا مزار مقدس خواص و عوام کا ملجأ و ماویٰ بنا ہوا ہے اور جگہ

بن کر آپ کے مزار مقدس کی خدمت میں مصروف ہیں۔ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ کی والدہ صاحبہ کا وصال جب ہوا تھا اس وقت خواجہ صاحب شیر خوار بچے تھے، آپ کی پرورش آپ کے والد بزرگوار نے ہی فرمائی۔ آپ کے والد صاحب نے دوبارہ نکاح کیا تھا اور اس سے آپ کی ایک بہن پیدا ہوئی تھی جو بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی، بعد از وصال والد فقط دو آدمی باقی تھے ایک حضرت خواجہ اور دوسری آپ کی حقیقی بہن جن کا نام عائشہ تھا وہ غالباً بڑی تھیں اور حضرت خواجہ سب سے چھوٹے تھے اور اس وقت یہ دونوں بہن بھائی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ کا ارشاد ہے کہ میرے والد کی وفات کے بعد سوتیلی والدہ بھی جلد فوت ہو گئیں اور گھر میں فقط ہم دونوں پریشان حال رہ گئے۔ اور ہمارے ماموں علی خان صاحب ہمارے متولی ہوئے انہوں نے میری بہن کا نکاح ہمارے ایک رشتہ دار سے سن بلوغ کو پہنچتے ہی کر دیا بعد ازاں گھر میں میں ایک اکیلا رہ گیا ؎

اک رہ گیا میں گھر میں اپنے دل میں آیا یہ خیال
کہ تیری قدرت سے ہے نرالی اے خدا اے ذوالجلال
مر گئے ماں باپ میرے کیوں میں باقی رہ گیا
ریاض کہتا ہے کہ اس میں بھی تو کوئی راز تھا:

وہ کیا کہ سید عالم کا بھی یہ حال تھا!!
ان کے نقشے پر جو آیا مرد با کمال تھا
ہر سہارا اٹھ گیا نقصان کا بھی ۔ آ گئی احمد کے ہاتھوں میں نبی کی پیروی

حضرت خواجہ کا ارشاد ہے کہ بچپن میں جب میں بھوکا ہوتا - اور والد ماجد سے روٹی مانگتا تو وہ فرماتے کہ بیٹا اللہ اللہ کرو - یعنی ذکر خدا کا پودا اپنے دل میں لگاؤ - خواجہ صاحب کے رہبر کامل یعنی والد مرحوم نے وہ عجیب سبق سکھایا جسے حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ چنبے کی بوٹی سے تعبیر فرماتے ہیں ؎

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلن تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

آپ فرماتے ہیں دوسرا سبق میرے والد ماجد نے مجھے یہ سکھایا - کہ جب میری عمر چار پانچ سال کی ہوئی تو آپ مجھے قرآن پاک پڑھنے کے لئے ایک اہل علم بزرگ کے پاس چھوڑ آئے اور وہ مقام ہمارے گھر سے چار کوس کے فاصلے پر تھا - میرے والد صاحب نے ایک برس تک میری خبر نہ لی - استاد صاحب محترم مال مویشی رکھا کرتے تھے - میں صبح سبق پڑھنے کے بعد حضرت استاد صاحب کی بکریاں چرانے چلا جایا کرتا تھا سچ ہے کہ ؎

بغیر مشقت کوئی نامی نہیں ہوا
سو بار کٹا عقیق تب نگیں ہوا

بہر حال آپ فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں استاد صاحب مال (؟) اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا ایک کمبل عنایت فرماتے تھے

چرانا اور رات کو پہاڑ کے دامن میں ایک غار کے اندر سو جانا۔ حقیر اس

مقام پر یہ شعر کہتا ہے

سوال
کس کی یہ سنت ادا ہو رہی ہے

جواب
نبی کی اطاعت صفا ہو رہی ہے

حضرت کا کہنا ہے کہ مذکورہ طریقہ پر قرآن ختم کرکے میں اپنے والد صاحب کا قدم بوس جا ہوا۔ یہ ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ ہے۔ لیکن قسمت والے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت خواجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے متولی و سرپرست جناب ماموں علی خان صاحب حضرت خواجہ خواجگان شہباز طریقت رہبر شریعت جناب محمد سلیمان صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد و مرید تھے اور اکثر حضرت موصوف کی خدمت عالیہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن جب میرے ماموں صاحب تونسہ شریف کی حاضری کے لئے تیاری کر رہے تھے تو میں نے ان کے ساتھ تونسہ شریف حاضر ہونے کی عرض پیش کی اور خوش قسمتی سے ان کی معیت میں حاضری نصیب ہوئی۔ حضرت کے دربار گوہر بار میں افاضۂ خیر حاصل کرنے کے لئے مجمع لگا ہوا تھا۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اور تمام لوگ آپ کی ہیبت و عظمت سے خاموش ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حقیر اس مقام پر یہ کہنا مناسب سمجھتا ہے کہ

اللہ اللہ ان کی عزت ان کی عظمت ان کا رعب
سچ تو یہ ہے قابل دیدار تھے شاہ تونسوی

خواجہ میروی ؒ کا فرمان ہے کہ ماموں صاحب موصوف حضرت کی قدمبوسی کر کے بیٹھ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ قدمبوسی کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ اُٹھے اور دونوں ہاتھ میری طرف بڑھائے۔ میں نے آپ کے رعب سے نگاہ نیچے کی ہوئی تھی۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے مجھے کہا کہ اے بچے قبلہ عالم تیری ملاقات کے لئے دونوں ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور تو سرنگون بیٹھا ہے۔ میں خوشی سے دوبارہ اُٹھا اور حضرت کے ہاتھ پاؤں کو چوما۔ حضرت نے انتہائی توجہ فرمائی اور شفقت سے پیش آئے ؎

ان کی نگاہِ ناز نے مست مجھے بنا دیا

فرماتے ہیں کہ اتفاق ایسا ہوا کہ خراسان سے ایک آدمی آ کر قدم بوس ہوا، اور اس نے چار سیب خراسانی بطور تحفہ پیش کئے۔ حضرت عالی مرتبت نے نصف سیب مجھے مرحمت فرمایا اور باقی ٹکڑے ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم فرما دیئے۔ چند دن شرف زیارت حاصل کرنے کے بعد میں اپنے ماموں صاحب کے ہمراہ گھر واپس چلا آیا۔ مگر واپسی کے بعد یہ عالم تھا کہ ؎

یاد ان کی دل میں ہوتی ہے اور ہجر کی راتیں ہوتی ہیں
آنکھیں یوں چھم چھم روتی ہیں جیسے برساتیں ہوتی ہیں

فرماتے ہیں کہ میرے دل میں تونسہ شریف کی بے حد محبت پیدا ہو گئی۔ اور قبلہ عالم کا حلیہ مبارک میرے دل پر نقش بلکہ بہت مستحکم و مضبوط ہو گیا۔ حقیر آپ کے پُر نور الفاظ کا ترجمہ ایک

کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ ؎

نہ ماں باپ تھی مجھ کو اپنی نہ باپ
نہ کنبہ قبیلہ نہ رشتہ نہ ساتھ

نہ دنیا نہ دولت نہ کوئی اور چیز
فقط نقش ان کا تھا دل میں عزیز

پھر اس نقش مقدس کا دیکھنا ہے نصیب ہوتا تھا کہ تنہائی میں جا کر خویش و اقارب سے جدا ہو کر آنکھیں بند کر کے سر نیچے کیا اور مصداق اس کے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار!
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

چل گئی تو دل میں آیا اضطراب
پھر مگر جب واپس آئی دیکھ لی

اس دوسرے شعر میں راقم الحروف نے خواجہ صاحب کے الفاظ کی ترجمانی کر دی۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا کہ حضرت خواجہ ایک دن اپنے خویش و اقارب سے اوجھل ہو کر ایک روپیہ بطور نذرانہ برائے خواجہ لے کر چلے۔ ان دنوں راستہ چوروں کی وجہ سے انتہائی پر خطر تھا لیکن حضرت خواجہ فرماتے کہ میرے عزم بالجزم میں کسی قسم کی لغزش نہ ہوئی۔ جب کچھ راستہ طے کیا تو جنگل میں دو ڈاکو بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ دل میں ذرا خوف و ہراس پیدا ہوا پھر خیال آیا کہ جو ہونا ہے ہو گا

ہٰذا اپنے شیخ کامل کو یاد کر کے چوروں کے قریب آگیا۔ جب زیادہ قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ تلواریں نکال کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و برکت اور حضرت خواجہ کی کرامت واقعی ندامت سے انہوں نے مجھ پر کوئی حملہ نہ کیا۔ اور میں صحیح وسالم دنبہ لے کر تونسہ مقدسہ کا راہی ہوا۔ انہوں نے میرے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے اور مجھے آواز دے کر کہا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور پھر پیار سے کہا ذرا ٹھہریئے ہم بھی آپ کے ساتھ آتے ہیں۔ اتنے میں وہ میرے ساتھ ہو لئے۔ ایک نے دنبے کو آگے سے پکڑ لیا اور دوسرے نے اسے ہانکنا شروع کر دیا اور مجھ سے کہا گھبراؤ مت جہاں آپ نے جانا ہے ہم آپ کو وہاں چھوڑ آئیں گے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مجھے کوہستانی علاقہ سے نکال کر منگروٹہ پہنچا دیا اور خود واپس ہو گئے۔ میں نے رات بلوچ خان کی مسجد میں گزاری اور والد بزرگوار کی قبر انور پر فاتحہ پڑھی۔ صبح وہاں سے روانہ ہو کر تونسہ شریف پہنچ گیا جبکہ حضرت خواجہ نماز مشرق سے فارغ ہو چکے تھے جناب مولانا محمد امین صاحب کو ساتھ لے کر قبلہ عالم کا قدمبوس ہوا۔ اور دنبے کا نذرانہ پیش کیا۔ ان دنوں خواجہ علیہ الرحمۃ اکثر حالت استغراق میں رہا کرتے تھے۔ آپ نے کئی دفعہ دنبے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے مولوی صاحب یہ نر ہے یا مادہ۔ مولانا موصوف نے عرض کیا۔ غریب نواز نر ہے۔ حضرت نے فرمایا اچھا یہ بڑا مضبوط نر ہے

باتوں ہی باتوں میں اشارے ہو گئے　　نم بہانے ہم تمہارے ہو گئے

اتنے میں مولوی صاحب کے دو لڑکے حضرت قبلہ کے پاس آ گئے آپ نے دونوں انہیں بخش دیا اور اس مشتاق کو (خواجہ احمد میروی) شرف بیعت سے نوازا۔ بعد از بیعت چند دن ٹھہر کر باجازت قبلہ عالم اپنے وطن مالوف کو آ گیا۔ پھر جو نسبت پیر و مرید میں رہی اسے راقم الحروف اشعار میں پیش کرتا ہے ؎

اس تھیں پچھے چار دفعہ میں کرن زیارت آیا
آنا جانا ایہہ کجھ ہویا احمد نے فرمایا
خبر ایہہ پہنچی پنجویں واری وچہ رستے دے مینوں
چل گئے خواجہ دنیا اتوں کھول سناواں تینوں
سن کے ستے ہیں آہیں ماراں کجھ نہ نظری آوے
انہاں باجھوں کون دلاسا آ کے کرم کماوے
احمد کہیا ہیں تونسے آ کے حجرہ خالی پایا
ہوش گیا پھر دل تھیں میرے وت آرام نہ آیا
پھر آ کے ہیں قبراں اُتے حضرت توں بلایا
کجھ جواب نہ آیا اگوں حیرانی وچہ آیا
چند دن ٹھہر کے واپس چلیا سی دل نوں بیقراری
دل آکھے جے قیامت لبساں جا کے دوجی واری
...کے واپس چلا ؎
...دے حوالے لمبی پئی جدائی   تاں پھر عید مبارک ہوسی جاں قیامت آئی

حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے مکھڈ پہنچ کر اپنا سارا مال رشتہ داروں کو دے دیا اور ان سے ہمیشہ کے لئے الوداع کر کے پھر تونسہ شریف پہنچ گیا۔ اور اس مقدس بستی میں مستقل اقامت پذیر ہونے کا ارادہ کیا۔ جناب مولنا محمد نواز صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے تونسہ شریف آکر حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب سے دائمی استقامت کے لئے استدعا کی۔ آپ نے اجازت فرمادی مگر مشکل یہ در پیش آئی کہ کوئی حجرہ خالی نہ تھا۔ جسمیں میں اپنا سامان رکھتا ایک حجرے میں دو درویش رہتے تھے اور وہ حجرہ فراخ تھا۔ خواجہ صاحب ازراہ غریب پروری ان دو درویشوں کو فرمایا کہ تم اس درویش کو بھی اپنے ساتھ رکھو۔ انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی اور میں نے اپنا سامان مسجد سے اٹھا کر وہاں رکھ دیا اور مالک حقیقی کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کر کے ان کے ساتھ شریک ہوگیا۔ چند دنوں کے بعد میں ایک سبق سے فارغ ہو کر آیا تو اپنے سامان کو حجرے کے باہر پایا۔ حیران ہو کر پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ تو ان دونوں نے کہا کہ بارش میں ہم نے حجرے کو مٹی لگائی ہے اور تو ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوا۔ میں نے غمناک ہو کر سامان اٹھایا اور مسجد میں آکر رکھا۔ ایک رات مسجد میں گذاری جس سے یہ بات مشہور ہوگئی دیگر طلباء میں کہ میاں احمد درویش بے چارہ ساتھیوں کی بدسلوکی کی وجہ سے مسجد میں جاگزیں ہے۔ خدا کی شان کہ اسی رات ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور نوبت گالی گلوچ تک پہنچی بلکہ انہوں نے ایک دوسرے کو مارا پیٹا اور دونوں اپنا سامان اٹھا کر چلتے بنے اور سب مجھے معہ اپنے سامان کے اسی حجرے میں سات برس بہ برکت خواجگان باطمینان بسر

کرنے نصیب ہوئے۔ سچ ہے ؎

بندہ چو خدمت یزداں کند
خدمت او گنبد خضراں کند

اس کا ترجمہ بقولِ جیتر یہ ہے :-

جو خدا کی عبادت میں مشغول ہو
کیوں نہ ارض و سما میں وہ مقبول ہو

ایک شاہ صاحب کا بلا وجہ غصہ

خواجہ صاحب کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک دفعہ جب میں تونسہ قدیمہ میں اقامت پذیر تھا، تو تونسہ شریف سے جنوبی طرف آب و ہوا تبدیل کرنے کے لئے بزدار وں کی ایک بستی میں چلا گیا۔ وہاں کے لوگ ایک سید صاحب کے مرید تھے اور وہ شاہ صاحب ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ چونکہ بستی والے میری بے حد خدمت کرتے تھے اس لئے کسی حاسد نے شاہ صاحب موصوف کو خفیہ اطلاع دی کہ آپ کے مرید آپ سے روگرداں ہو کر ایک درویش کے مرید ہو چکے ہیں جو آج کل یہاں سکونت پذیر ہے۔ حضرت شاہ صاحب یہ خبر سن کر تشریف لائے۔ میرا معمول تھا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آبادی سے باہر چلا جاتا اور وظائف و مثنوی شریف کے مطالعہ میں مصروف رہتا۔ جس دن شاہ صاحب کا دورہ ہوا اس دن بھی حسب معمول باہر گیا ہوا تھا اور مغرب کی نماز سے کچھ پہلے واپس آیا۔ سید صاحب اپنے مریدوں کے ہمراہ مسجد کے اندر تشریف فرما تھے۔

تمام لوگ میری تعظیم کے لئے اٹھے، میں نے مثنوی شریف ایک آدمی کو دی اور خود شام کی نماز کے لئے وضو کرنے لگا۔ سید صاحب موصوف غصہ ہوئے اور مریدوں سے پوچھا یہ آدمی کون ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ تونسے شریف سے ایک درویش آیا ہوا ہے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ اے درویش صاحب تم نے اپنے آپ کو لوگوں میں نیکوکار اور پابند شریعت مشہور کیا ہوا ہے حالانکہ میں تمہیں غیر شرعی آدمی سمجھتا ہوں۔ تم سارا دن جنگل میں رہتے ہو اور سنت موکدہ یعنی نماز باجماعت کے تارک ہوتے ہو۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ حضور شاید آپ کو مسائل فقہ اور اصول فقہ سے واقفیت نہیں ورنہ یہ اصولی بات ہے کہ جہاں فرض و سنت میں تعارض ہو وہاں سنت کو ترک اور فرض پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس مسجد میں کنواں ہے۔ اور سارا دن غیر محرم عورتیں آتی ہیں۔ ان سے نظر بچانا فرض ہے۔ لہذا میں سنت کو ترک کر کے فرض پر عمل کرتا ہوں اور دونوں پر عمل کرنا یہاں ناممکن ہے۔ شاہ صاحب خاموش ہو گئے اور میں وضو میں مصروف ہو گیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو قبلہ شاہ صاحب موصوف نے میرا ہاتھ پکڑ کر پیش امام کر دیا اور جب تک میں وہاں رہا شاہ صاحب صدق و محبت سے میرے ساتھ پیش آتے۔ ہے سہ

چہ منصف بزرگان دین بودہ اند
کہ با حق پرستاں چنیں بودہ اند

کیسے تھے وہ لوگ انصاف والے
خدا نے کیا حق جن کے حوالے

آئی بات حق کی تو تسلیم کی !
یا حق جو دیکھا تو تعظیم کی !

ریاض آج باتیں ہیں ایسی کہاں
شہرت پرست ہے آج کل جہاں

خواجہ خواجگان قبلہ عالم کی ایک اور کرامت حضرت میروی فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں جلال الدین صاحب نے میرے پاس سبق پڑھنا شروع کیا۔ ان دنوں حضرت خواجہ صاحب حجرہ مبارک کے گرد چار دیواری کے لئے بنیادیں کھدوا رہے تھے اور قبر انور کے ارد گرد بالکل میدان تھا۔ میں کسی دوست کو تلاش کر رہا تھا اور میرے ہاتھ میں بکری کا سر لیا ہوا تھا۔ اس حالت میں میں نے قبر اطہر کا تین دفعہ طواف کیا۔ بعد ازاں میں جلال الدین صاحب کو ساتھ لے کر آگ جلائی اور مذکورہ سر بھوننے کے لئے آگ پر رکھا اور بہت کوشش کی مگر اس کا ایک بال بھی نہ جلا۔ ہم متحیر ہوئے کہ یہ کیا حکمت ہے کہ اتنی تیز آگ اور ایک بال بھی نہیں جلتا۔ اسی اثنا میں دوسرے ساتھی بھی جمع ہو گئے اور سب زور شور سے آگ جلانے لگے۔ لیکن قدرت خداوندی کہ وہ سر نہ جلا۔ کافی فکر کے بعد مجھے یاد آیا کہ جب میں نے مزارِ اقدس کا طواف کیا تھا تو یہ سر میرے ہاتھ میں تھا اور چونکہ شرف طواف اسے بھی حاصل ہوا۔ لہذا یہ اسی کا اثر ہے حقیر ایسے موقع پر یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہے کہ۔

قبر دل میں یہ تاثیر دیکھی !
کہ تاثیر آتش یہ تاثیر دیکھی

آپ کے تذکرہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت میروی کا زبان ہے کہ جن دنوں میں تونسہ شریف میں بحیثیت طالب علم مقیم تھا مجھ سے بڑے اور مضبوط تر متعلمین استاد صاحب سے استفادہ کرتے تھے لیکن باوجود اس کے استاذی المکرم اکثر اوقات بتبسم جانفزا فرمایا کرتے تھے کہ اے میاں احمد جب میں تجھے دیکھتا ہوں تو میرا دل خوش ہو جاتا ہے۔ میں جواب میں الحمد للہ کر کے عرض کرتا تھا کہ جناب کی خوشنودی سعادت دارین ہے اور اس خوشی کی وجہ یہ تھی کہ استاد صاحب بال بچے دار تھے اور میں بوقت فراغت ان کے گھریلو کام سرانجام دیتا تھا اس لئے حضرت استاد صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ مجھ پر نہایت خوش اور دعا گو رہتے تھے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ بہت سخت بارش ہوئی اور تیرہ دن تک متواتر برستی رہی۔ اکثر لوگوں کے مکانات گر گئے ہمارے قبلہ استاد صاحب کا مکان گرنے سے تو بچ گیا۔ لیکن بارش کی شدت کی وجہ سے چھت کا پانی اندر ٹپکنا شروع ہو گیا اور گھر کا اکثر سامان بھیگ گیا۔ بارش بڑی زوروں پہ تھی اس لئے طلبا چھت پر مٹی ڈالنے سے کترا گئے۔ اور میں باوجود شدید بارش اور میروی کے خواجگان کی برکت سے جہاں سے پانی ٹپک رہا تھا مٹی ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت استاد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ میری اس ہمت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے دعائیں دیں۔ ۱۵

خوشی اس کی سے دور وہ جہاں تھا

اس کے کرم پر ہر کسی کو نازاں تھا

میاں اب وہ خلوص و محبت کہاں ہے — جبکہ ہر شخص مطلب ہی کا خواہاں

خواجہ احمد میروی علیہ الرحمۃ کے استاذ صاحب کی بیماری اور وصال!

خواجہ صاحب کا کہنا ہے کہ ان ایام میں میں استاذ المکرم صاحب کے پاس پڑھتا تھا حضرت استاذ صاحب بیمار ہو گئے اور آپ کو چونکہ بیمار ہوئے زیادہ دن گذر گئے اس لئے باقی طلباء نے دیگر اساتذہ کے پاس اسباق شروع کر دیئے لیکن میں اسباق کی پرواہ کئے بغیر استاد صاحب کی خدمت میں مشغول رہا اور ساتھ ساتھ ان کے گھر کا کاروبار بھی سرانجام دیتا رہا، حتیٰ کہ استاد صاحب تندرست ہو گئے۔ میں نے ان کے کپڑوں کی صفائی کی اور انہیں غسل صحت کرایا تو فرمانے لگے "میری طبیعت ٹھیک ہے تم مسجد میں جاکر نماز اشراق ادا کرو اور پھر جلد آجانا" میں مسجد میں گیا اور انہوں نے عدا اس عزیز جان، آفریں کے سپرد کر دی ہے

اللہ والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں

یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

فرماتے ہیں کہ خلیق اور مہربان استاد کے وصال سے مجھے بے حد صدمہ ہوا بعد ازاں جب تک وہاں اقامت پذیر رہا اپنے استاد صاحب کے گھر والوں کی پہلے کی طرح ہی خدمت گذار رہا اور اپنے اسباق مجبوراً دیگر اساتذہ کے پاس لے گیا۔ خصوصاً خواجہ غریب نواز خواجہ اللہ بخش صاحب، جناب احمد صاحب خلیفہ شاہ سلیمان علیہ الرحمۃ نیز الفوظات حضرت خواجہ اور دیگر درویش جو خواجہ خواجگان کے تربیت یافتہ تھے ان سب سے استفادہ حاصل کرتا رہا۔

نہ پوچھو ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو — ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت خواجہ کا کہنا ہے کہ نو برس تک متواتر ہی تونسہ شریف رہا اور علوم دینیہ ضروریہ حاصل کر کے فارسی نظم و نثر میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی اور اسی دوران مذکورہ بالا حضرات سے مراتب طریقت کے حصول میں بھی کافی حد تک کوشش کرتا رہا۔ بعد ازاں طبیعت میں سیر و تفریح کا شوق غالب ہوا، اور عزم صمیم کر کے سیروا فی الارض پر عمل کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ یہ سیر و سفر زیارت بزرگان دین و پیران عظام کے دیدار و حصول علم و مناظر گوناگوں سے فائدہ مند ہونے پر مشتمل تھا۔ چنانچہ ملتان شریف کلورکوٹ تحصیل عیسیٰ خیل اور چوہلیاں ضلع ہزارہ وغیرہ علاقہ جات سے جو علم حاصل کیا وہ اسی دوران کا تھا۔ نیز دہلی لاہور و اجمیر شریف وغیرہ مقامات پر جا کر کامل بزرگان دین سے استفادہ اسی سفر یا ظفر میں کیا۔ نیز کشمیر کا دلکش علاقہ اسی مذکورہ سیر میں نظروں سے گزرا۔ تقریباً سات برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مذکورہ مدت میں کبھی کبھی تونسہ شریف حاضری بھی ہوتی تھی اور مذکورہ سفر کا آغاز ملتان شریف سے ہوا تھا۔ خواجہ عالی جاہ کا فرمان ہے کہ محمد یعقوب نامی ایک طالب علم کو ساتھ لیا اور تونسہ شریف سے ملتان شریف آپہنچے۔ چند دن رہنے کے لئے جائے سکونت اور علماء مدرسین کی تلاش رہی، ایک مسجد (جس کے متعلقہ لوگ بے سر و سامانی میں مشہور تھے) کے حجرے میں سامان رکھ کر ایک استاد صاحب سے سبق شروع کیا (حضرت کا ان دنوں کنز الدقائق کے آخری حصے میں سبق تھا اور رسالہ قطبی کا حصہ اول میں) فرماتے ہیں کہ لوگوں کے بے مروت ہونے کی وجہ سے کئی دن نہایت تکلیف سے

بسر کئے۔ جب محمد یعقوب کو بھوک ستاتی تو حضرت خواجہ اسے تسلی دیتے اور حضرت موصوف کی شخصیت کا اثر تھا کہ چند ایام کے بعد وہ لوگ آسودہ حال ہو گئے اور کھانا اتنا آنا شروع ہو گیا کہ دوسری مساجد کے طلبار یہاں آ کر پیٹ پالتے ہے

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

خواجہ موصوف کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کی زیادہ آمد و رفت سے میری تعلیم اور ادائیگی وظائف میں خلل آنے لگا اور طبیعت میں تکدر پیدا ہونے لگا۔ بالآخر ملتان سے چلے جانے کا ارادہ غالب آیا۔ بمجبوری رمضان المبارک وہاں گذارا اور عید الفطر کے بعد مذکورہ ساتھی کو کہا کہ سکون قلب نہیں اور ادھر تونسہ شریف کی محبت بھی غلبہ کر رہی ہے اس لئے تیار ہو جاؤ۔ پھر لوگوں نے جو کپڑے سامان وغیرہ دیا تھا طلباء میں بانٹ دیا اور لوگوں سے نظر بچا کر تونسہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ محلے والوں کو جب اطلاع ہوئی۔ تو وہ آ کر کہنے لگے کہ ابتداً ہم نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے آپ کی شان کے مطابق خدمت سر انجام نہیں دی اور کما حقہٗ خدمت سراپا برکت سے قاصر رہے ہیں اب مہربانی فرمائیں اور ہماری مسجد کو ویران کر کے نہ جائیں۔ لیکن تونسہ شریف کی زیارت کا شوق چونکہ غالب تھا اس لئے ہم ملتان شریف سے رخصت ہو کر تونسہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقام پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کو تونسہ شریف اتنا پیارا کیوں تھا؟ کیا اس کی

گلیاں اچھی ہیں یا مکانات عمدہ ہیں یا ڈیل ڈول خوب ہے۔ آخر وجہ کیا ہے تو اس کا جواب عاشق کے اس قول سے ظاہر ہے جو فارسی کے اشعار میں منقول ہے ۔

گفت معشوق بعاشق اے فتا
تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامی شہر زانہا خوشتر است
گفت وآں شہرے کہ در وے دلبر است

یعنی ایک معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ اے جوان تو نے مسافری میں بہت سے شہر دیکھے لہذا بتا کہ کون سا شہر اچھا ہے۔ عاشق نے جواب دیا جہاں محبوب رہتا ہو وہ شہر سب سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ کو بھی تونسہ شریف سے اس لئے محبت تھی کہ اس میں خواجہ خواجگان جناب حضرت شاہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے

محمد یعقوب کی احمد یار سے محبت

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جن ایام میں ہم ملتان شریف رہا کرتے تھے تو اسی محلہ ایک آدمی احمد یار نے میرے پاس کتاب پڑھنا شروع کی۔ اور محمد یعقوب طالبعلم اس کے ساتھ سماع ذکر اذکار کرتا تھا۔ ایک دن بروز جمعہ میں نے دیکھا کہ زلیخا کا نسخہ سامنے رکھا ہوا ہے اور آہستہ آہستہ ترنم سے پڑھ رہا ہے۔ اور آنکھوں سے فراق کی وجہ سے آنسوؤں کی جھڑی برس رہی ہے

اس کی غمناک حالت دیکھ کر میں نے یقین کر لیا کہ محمد یعقوب عشق و محبت میں مبتلا ہے اور چونکہ جمعہ کی چھٹی ہے اس لئے احمد یار نہیں آیا اور یہ اس کے فراق میں رو رہا ہے۔ میں نے اس بھید کو پوشیدہ رکھا اور کسی سے ذکر نہ کیا۔ جب میں نے یہاں سے چلنے کا ارادہ کیا تو محمد یعقوب کی عجیب حالت تھی۔ نہ جسم میں طاقت نہ دل میں صبر۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ آخر بمشکل میرے ساتھ چلنے کا ارادہ مصمم کر لیا اور بادل نخواستہ میرے ساتھ چل پڑا جب ہم تونسہ شریف پہنچے تو میرا ساتھی اپنے محبوب کے فراق میں بیمار ہو گیا۔ میں نے بہت نصیحت کی اور تسلی دی کہ تیری صحت کے بعد تجھے ملتان شریف لے جاؤں گا اور احمد یار سے ملاقات ہوگی۔ لیکن وہ کہتا تھا کہ میرا دل پارہ پارہ ہو رہا ہے اور زندگی کی امید ختم ہو چکی ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ میرے وجود کا خمیر تونسہ شریف کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ آخر گرتے اٹھتے یہاں آگیا ہوں۔ مختصر یہ کہ غریب الوطن نے ایک حقیقی کو جان پیش کر دی ؎

کون کہتا ہے کہ عاشق مر گئے
تیرے چھوٹے تو اپنے گھر گئے

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اور طلباء کے ایک عظیم گروہ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ اور قبرستان میں اسے سپرد خاک کیا۔ اور میں اس عزیز شفیق کے فراق میں کافی ایام تک غمناک رہا۔

خواجہ صاحب کا ارشاد گرامی ہے کہ جب میں ملتان شریف سے پاکپتن شریف زیارت کو گیا تو احمد یار سے ملاقات ہوئی۔ اس نے محمد یعقوب کے متعلق پوچھا اور موت کی

کی خبر سُن کر رونے لگا اور عرض کی کہ دوستی کے زمانے میں اس بیچارے نے مجھ سے کبھی سخت کلامی نہ کی تھی۔ اب آپ میرے اور اس کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں جنت میں بے زوال وصال نصیب کرے۔

سفر کے آداب اور خواجہ کا طریقہ کار

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضرت خواجہ سات برس تک سفر و سیاحت میں رہے۔ مگر آپ کی ہمیشہ کوشش رہی کہ بلا ضرورت ایک جگہ دو رات دن نہ ٹھہریں اور سفر کے دوران بعض اوقات باوجود اشد ضرورت کے مانگنے سے کلی طور پر احتراز فرمایا۔ مل گیا تو کھا لیا نہ ملا تو یاد خدا کی شراب نوش فرما وقت بسر فرمایا ہے

ذکرک للمشتاق خیر شراب
وکل شراب دونہ کسراب

ترجمہ بقول راقم الحروف ہے

تیرے ہی ذکر سے ہے مشتاقوں کو سیرابی
ہر شراب اس کے سوا ہے مانند ریت کی

نماز ہمیشہ با جماعت ادا کرتے تھے۔ وظائف اور ذکر و فکر میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیتے تھے۔ پھٹے پرانے کپڑوں پر اکتفا فرماتے۔ کسی سے سوال تک کی نوبت ہرگز نہ پہنچتی۔ لباس اوقات لوگوں کے پھینکے ہوئے ردی ٹکڑے کو پاک صاف کر کے پرانے کپڑوں پر پیوند کر لیتے سچ ہے ۔۔

تاج شاہی پہ وہ تھوکتے بھی نہیں
جی لگا ہے جن کا مولیٰ تیری گلی میں

بشارت الابرار میں ہے کہ ایک دفعہ میاں حسن درویش نے جو خواجہ صاحب کے ہاں رہتا تھا آپ سے سفر کی اجازت طلب کی۔ آپ اس وقت نمازِ عصر کے لئے وضو کر رہے تھے۔ اسے منع فرما دیا وہ پرانا اور بے تکلف تھا کہنے لگا آپ جب چاہتے ہو سفر کر لیتے ہو اور ہمیں روکتے ہو۔ آپ نے فرمایا میاں حسن تم میرے جیسا سفر کر سکتے ہو۔ میں نے سات برس کے سفر میں کسی مقام پر دو شب سے زیادہ قیام نہیں کیا اور نہ کسی سے اظہار، نہ کسی سے سوال کیا۔ پرانے پھٹے کپڑوں، لوگوں کے روی ٹکڑوں سے جوڑ جوڑ کر وقت گذارتا۔

تعالی المدیعت ست

فقر فخری یاد آتی ہے یہاں
نقشِ احمد پہ احمد تھے رواں

خواجہ صاحب نے فرمایا میاں حسن تمہاری حالت میری مذکورہ حالت سے بالکل مختلف ہے۔ تم لوگ جہاں جاتے ہو کہتے ہو کہ ہم پیر اشریف سے آئے ہیں اور لنگر کا کام کرتے ہیں رہیں ایسے سفر سے منع کرتا ہوں اور پیر بھائیوں کو بلا وجہ تکلیف دینی مناسب نہیں۔

جناب حضرت فاضل شاہ صاحب گڑھی شریف والوں سے رابطہ

حضرت خواجہ پیروی علیہ الرحمۃ کی قبلہ عالم تونسوی علیہ الرحمۃ سے پہلی ملاقات

جنہیں قبلہ عالم نے خلافِ معمول انہیں خصوصی توجہ سے سرفراز فرمایا۔
آپ اُن کے لئے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ مبارک آگے بڑھانے
پھر بیعت عطا فرمایا۔ چنانچہ واقعہ مذکور ہو چکا ہے۔ سمجھنے والے اسی دن
سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ کوئی بات ضرور ہے۔ ہمارے تذکرہ نگاروں میں
سے جناب مولنا عنایت اللہ صاحب چشتی کا کہنا ہے کہ اس خاص توجہ
کا اثر یہ تھا کہ ہمارے خواجہ قبلہ عالم کی محبت میں بے قرار ہو جاتے ہیں۔
اور آپ کے تصور کے بغیر انہیں چین نہیں آتا۔ انہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔
دوسری ملاقات اسی بے قراری میں ہوئی ہے۔ جبکہ خواجہ احمدؒ گھر سے
اکیلے روانہ ہو کر مع دُنبے کی حاضری دیتے ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت قبلہ عالم
زمین کو ہموار اور مناسب پا کر خود بخود شرف بیعت سے سرفراز فرماتے ہیں۔
غرض یہ کہ چار پانچ دفعہ کی ملاقات پھر تونسہ شریف میں رہائش اور نو
برس میں اکتساب علم و عرفان سے لطف اندوز ہونا اور مزار اقدس کے علاوہ قبلہ
عالم کے خلفاء عظام سے طریقت کے سمندر میں غوطے لگانا ایک نعمت غیر مترقبہ
تھی اس عالم میں حضرت خواجہ نے رائے قائم کی کہ حضرت قبلہ عالم کے خلفاء میں
سے کسی بزرگ کو اپنا پیر صحبت جو کہ ایک قسم کا قائم مقام پیر بیعت کے ہوتا ہے۔ بنانا
چاہیئے۔ چونکہ قبلہ عالم کے خلفاء اکناف عالم میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے اس
تعین کے لئے آپ نے استخارہ فرمایا۔ اچانک قرعہ فال حضرت جناب فاضل شاہ
صاحب گڑھی شریف والوں کے نام نامی پر پڑا۔ حضرت پیرودی علیہ الرحمۃ اسی پر کاربند
ہوئے اور جب تک قبلہ شاہ صاحب موصوف زندہ رہے ہمارے خواجہ صاحب

ہر سال بالالتزام ایک دفعہ ان کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ پہلے حضرت شاہ صاحب کا قیام کسی خاص مقام پر نہیں تھا۔ لہذا آپ جہاں کہیں ہوتے حضرت خواجہ انہیں تلاش کرکے زیارت اور باطنی فیض سے لطف اندوز ہوتے بعدازاں جب آپ کی اقامت گڑھی شریف ہوگئی اور وہاں ہی وصال شریف ہوا۔ تو حضرت خواجہ جب تک زندہ رہے اس وظیفہ میں کبھی کوتاہی جائز نہ سمجھی اور جس طرح تونسہ مقدسہ قبلہ عالم کے ہاں حاضری ہوتی ویسے ہی گڑھی شریف بھی آپ کا یہ معمول روز روشن کی طرح واضح ہے۔ البتہ استخارہ کا واقعہ سید کرم حسین شاہ صاحب ذکر دلی میں نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ تونسہ شریف کے قیام کے زمانہ میں حضرت پیروی کا یہ خیال ہوا کہ پیر بھائی صحبت کے لئے اگر مل جائے تو اچھا ہو۔ ایک رات کو استخارہ کیا۔ تو قدرتی ہاتھ نے جنوب کی طرف حرکت کی۔ بیدار ہو کر بڑے فکرمند ہوئے۔ کہ افسوس معمہ حل نہ ہوا۔ دوسری طرف پھر استخارہ کیا اشارہ حضرت فاضل شاہ صاحب گڑھی والوں کی طرف ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا اس وقت کوئی مقرر مقام نہ تھا۔ لیکن عموماً پہاڑی علاقہ ضلع ہزارہ میں رہا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب کا اس طرف آنا جانا ہوا۔ راستہ میں میرا شریف بھی دو تین راتیں عبادت میں گزار دیتے۔ آپ کو یہ جگہ انتہائی مرغوب تھی۔ حضرت سید فاضل شاہ صاحب کا ذکر کئی دفعہ ہو چکا ہے۔ آپ قبلہ عالم کے خلفاء عظام سے ہیں۔ آپ کا مزار پر انوار ملجائے عوام و خواص ہے اور دنیا میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔۔۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

میرہ شریف

میرہ شریف کا جائے وقوع معتقدین کے لئے عجیب، دلکش اور خوشنما ہے اور منکرین کے لئے پریشان کن اور تکلیف دہ ہے۔ اس کے ارد گرد تین طرف تو وادیاں اور بے حساب ڈھیریاں ہیں اور مذکورہ وادیوں وغیرہ میں قدرتی درخت اور صحرائی سبزے وغیرہ موجود ہیں۔ یہ سلسلہ میرہ شریف کے شمال مغرب اور جنوب پر میلوں تک قائم ہے اور مشرق کی طرف کچھ حصہ ہموار اور آبادی میں شامل ہے۔ جدھر جنگل ہے ادھر جنگلی جانور خرگوش وغیرہ درندے زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں۔ پہلے انسانی آمد و رفت بہت کم تھی اور اب انقلابات زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہے اور قدرت خدا وندی کا نظارہ کرنے والوں کے لئے مذکورہ ڈھیریوں اور وادیوں کے درمیان نہایت پاک صاف اور خوبصورت مقام و میدان عجیب جاذب نظر ثابت ہوا ہے جس کے متعلق یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہو گا ۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے!
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

حقیر کے خیال میں یہ کہنا بھی نامناسب نہ ہو گا کہ مذکورہ جنگل کی مقیم مخلوق یعنی چار پائے، درندے وغیرہ اس مقدس مقام کے تقدس پر پہنچنے

صدق و خلوص کا ثبوت حتی الوسع پیش کرتے ہیں اور اس کی وجہ و جیہہ یہ ہے کہ خواجہ علیہ رحمۃ نے یاد خدا میں اپنا تن من دھن لگا کر فنا فی کروفنی پر عامل ہونے کا نقشہ قائم فرما دیا۔ اور مالک الملک نے اپنی مخلوق کو ان کے تابع فرمان کر کے از کرم سے انہیں نوازا۔ سچ ہے فرمان سعدی؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ!
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

جنگل کا منگل

جس میدان کا عقیدہ تذکرہ کر رہا تھا۔ اب وہاں روضہ مقدس بنا ہوا ہے حقیر کی نگاہ قاصر کا فیصلہ ہے کہ بزرگان دین کے قبہ حیات اس لحاظ سے کہ اس پاک جماعت کی طرف منسوب ہیں۔ تمام ہی قابل دید بلکہ بفرمان سید الانام علیہ السلام ریاض جنت کے ٹکڑے ہیں مگر حضور خواجہ احمد پیری علیہ الرحمۃ کے قبۂ مبارک اور اس کے اردگرد میدان کا ایک عجیب خوشنما منظر ہے جس کے دیکھنے اور سننے میں بہت بڑا فرق ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ میدان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ حضرت ثانی یعنی خواجہ صاحب کے جانشین مولانا احمد خان صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ اس جگہ جرم و گناہ تو الگ رہا دنیاوی کام بھی نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ وہ ٹکڑا ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدا تعالیٰ خواجہ صاحب کے ہر جانشین کو آپ کی وصیت پر کماحقہ عمل کرنے کی

ترغیب عطا فرمائے۔ بہر حال میرہ شریف ایک جنگل بیابان تھا اور اللہ والے نے اسے وہ رنگ لگایا کہ آدمی دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے میرہ شریف حاضری کے لئے غربی جانب ریلوے سٹیشن چھب تقریباً دس میل ہے اور شرقی جانب پنڈی گھیب تقریباً بیس میل جانب شمال تین چار میل کے فاصلے پر نالہ سواں گزر رہا ہے اور علی ہذا القیاس جنوبی جانب بھی مختلف بستیاں اور راستے موجود ہیں۔ پہلے میرہ شریف پہنچنے کے لئے دور دراز کے احباب کو کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب بفضلِ خدا تعالیٰ اور برحمت سید المرسلین اور بنظر خواجگان علیہم الرضوان پنڈی گھیب سے چھب تک بس کا انتظام ہے۔ پہلے سُنا ہے کہ زائرین کو کافی تکلیف ہوتی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ چھب سے میرہ شریف تک راستہ پر قدم قدم پر گول قسم کے سخت پتھر ہی نظر آتے تھے۔ اور مریدین و متعلقین حضرات کو اچھی خاصی قربانی دینے کے بعد زیارت نصیب ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی صاحب زیارت کا متلاشی ہوتا۔ تو سوائے اونٹ کی سواری کے دوسری چیز کا میسر ہونا ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے متعلق حضرت خواجہ کے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ چھب سے میرہ شریف آنے والوں کی خدمت راستے پر رہنے والے لوگوں نے بخندہ پیشانی قبول کی ہوئی تھی مثلاً راستہ بتانا، کھانا کھلانا وغیرہ معمولات بدل و جان ادا کرتے تھے جب حضرت ثانی صاحب کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے کافی حد تک مسافروں کے لئے سہولتیں مہیا فرمائیں۔ راستے میں پانی کے لئے کنواں مساجد وغیرہ کی سعی

فرمائی۔ نیز چھب اسٹیشن پر مسجد اور مسافروں کے لئے انتظار گاہ اور مسجد کے پانی کا معقول انتظام فرما کر مسافروں کی تکالیف کو حتی الوسیع دور فرمادیا والحمدللہ علی ذالک ؎

ثانی عمر کہتے ہیں ان کو ثانی احمدؒ جو تھے
اس لئے از رعب سے وہ کام عجیبہ کر گئے

میرہ شریف کے مذکورہ جنگل کے اردگرد اعوان قوم کی چھوٹی بڑی بستیاں تھیں۔ دو تین تین میل کی مسافت پر اور مغرب کی طرف ساٹھ آٹھ میل کے بعد پٹھانوں کی آبادی شروع ہو جاتی ہے۔ اس علاقے کا عرفی نام زرو ہے اور اس جگہ کے باشندے بعض اوقات اعوان حضرات کی آبادی میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ میرہ شریف کی جلسے وقوعہ کے قریب سب سے پہلے ایک اعوان جناب میاں محمد صاحب نے ڈھوک بنائی۔ یہ شخص حضرت خواجہ نکھڑی علیہ الرحمۃ کا غلام تھا۔ ایک دفعہ حضرت موصوف موضع اخلاص جو کر پنڈی گھیب کے قریب واقع ہے فاتح خوانی کے لئے بذریعہ پالکی تشریف لے جا رہے تھے۔ جب میرہ شریف کے مقام پر پہنچے، تو فرمانے لگے مجھے ان ڈھیریوں، پتھروں اور ریت کے ذروں سے اللہ کے ذکر کی آواز آتی ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

راقم الحروف نے ترجمہ یوں کیا ؎

اس کا کہنا ہے خدا کا ہی کہنا ۔ شعر رومی ہے حدیث مصطفےٰ کا معنی

بندوں کے گلوں سے کیا عجیب بات ہے

دستِ مصطفےٰ بھی خدا کا ہاتھ ہے !

ریاض عاجز یہ کہتا ہے اشاروں میں اشارے ہیں

ولیوں کی یہ باتیں ہیں ولی سارے ہمارے ہیں

بہر حال جس طرح مولنا مذکور نے ایک مسرور کن خوشخبری اور پیشین گوئی فرمائی تھی اسی طرح جب قبلہ سید فاضل شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اس مقام مرکز فیضان سے گذرے تو لوگوں نے عرض کی کہ حضور یہاں جب بارش کا پانی خشک سالی کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے تو ہمیں بحد تکلیف ہوتی ہے. تو آپ نے فرمایا. کہ یہاں عنقریب ایک اللہ کے ولی مقیم ہونیوالے ہیں جو اس خشک میرہ کو سیراب و شاداب فرمایئں گے اور وہ یہاں بنگلے بنائینگے چنانچہ آج دنیا مشاہدہ کر رہی ہے اور لفظ بلفظ حضرت موصوف کے فرمان کی تصدیق ہو رہی ہے ۔

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا آگے ذرا تو اور دیکھ

معلوم ہوگا دیکھنے سے تو ذرا با غور دیکھ

شعر میں اشارہ گذر چکا ہے اب ذرا تفصیل ملاحظہ فرمایئے ۔

ایک دفعہ وہ میاں احمد حسن نے میرا شریف کے جائے وقوعہ پر سب سے پہلے مکان بنایا تھا ۔ قبلہ عالم کی زیارت کے لئے تونسہ مقدسہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی خدمت میں عرض کی ۔ حقیر نے ایک جھوک بنائی ہے جس کا نام میرا رکھا ہے ۔ ہمارے نزدیک ۔ افغان آباد ہیں اور ان کا پیشہ لوٹ مار اور غارت

گری ہے۔ وہ اکثر ہمارا مال مویشی لے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اب مبرو نہیں بلکہ میرا ہے۔ قیامت تک اسے لوٹنے کی کوئی ہمت نہ کرے گا۔ ان نے بزرگوں کے فرامین کی صداقت حضرت خواجہ صاحب کی عدم اقامت سے کیسے واضح ہو سکتی تھی۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی بات ضائع نہیں فرماتا بلکہ اسے چار چاند لگاتا ہے۔

ہ یہ محض اُس کا فضل و کرم دیکھو!

میبرہ شریف میں حضرت خواجہ کی تشریف آوری

حضرت صاحب کے سیرت نگاروں نے نقل فرمایا۔ کہ میبرہ شریف اقامت پذیر ہونے سے پہلے آپ کا سن مبارک تقریباً چالیس کے نہ و بالا پہنچ جاتا ہے بمعہ تونسہ شریف کی اقامت اور بعد ازاں دیگر مقامات پر حصول علم کی مدت کے چونکہ کافی عرصہ سفر میں گذارہ تھا اس لئے مذکورہ مدت کے بعد آپ نے مستقل استقامت کی نیت فرما کر مبشرہ جگہ پر بمعہ چند درویشوں کے ڈیرہ لگا دیا یہاں سایہ دار درختوں میں ایک عجیب مسجد تھی۔ خواجہ صاحب طلباء کو تعلیم دے کر کبھی تو کسی نمازی میں تشریف لے جاتے اور تا شام یاد خدا میں مصروف رہتے۔ شام کو حجرہ پر تشریف لاتے اور طلباء کے ساتھ وہی کھانا جو وہ آیا نہی سے صبح شام مانگ کر لاتے تھے تناول فرماتے۔ آپ کے ساتھ ساتھ کے الگ بغاگ طلباء فقط کریما پڑھنے والے تھے اور لطف یہ کہ کریما کا صرف ایک نسخہ تھا۔ لیکن بوجہ مجبوری اسی پر اکتفا کرتے رہے۔ قبلہ عالم تونسوی علیہ الرحمۃ

کا پہلا عرس شریف آپ نے ۷ جروں پر کیا تھا اور اس کے بعد افزائش ہوئی
سبحان اللہ اپنے شیخ سے کتنی محبت تھی۔ سچ ہے ؎

یاد ان کی دل میں ہوتی ہے اور ہجر کی راتیں ہوتی ہیں
آنکھیں یوں چھم چھم روتی ہیں جیسے برساتیں ہوتی ہیں

مولف بشارت الابرار کا کہنا ہے کہ جب ذرا وسعت ہوگئی تو آپ نے سابقہ عادت کے خلاف الگ کھانا شروع فرما دیا اور بسنی کا لایا ہوا کھانا ترک فرما کر اپنی جیب سے قیمت ادا فرما کر آٹا دانہ خریدتے اور گذر اوقات فرماتے۔ نیز مقامی رئیس سمندر خان نے آپ کو دودھ استعمال کرنے کے لئے ایک بکری دے رکھی تھی آپ جس کے دودھ کے ساتھ روٹی تناول فرماتے۔ کسی مجبوری کے تحت ایک دفعہ خواجہ صاحب نے ایک مقامی آدمی مسمی گل محمد سے ایک چونی بطور قرض لی اور اتفاقاً انہی زمانہ میں آپ عرس شریف لے گئے تو گل محمد مذکور نے کہا کہ وہ چونی نہ معلوم اب مجھے کب ملے گی۔ پھر نے تو وہ مسماۃ نور بھری کی دی ہوئی تھی۔ بہرکیف کرنا خدا تعالیٰ کا ہوا کہ آپ تھوڑے دنوں میں واپس ہوئے اور چونی دے دی اور قبلہ عالم کا دوسرا عرس تھوڑے پر کیا اور اسی دن کوئی آدمی میوہ نذرانہ لایا حضرت نے چونکہ تقسیم فرمانا شروع فرمایا اور ہر آدمی کو ایک ایک پیسہ دینے لگے۔ اسی دوران کسی نے کہا کہ میوہ تھوڑا ہے اور حاضرین کی تعداد زیادہ ہے لہذا تھوڑا تھوڑا دینا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اب جیسی نے چونکہ تقسیم شروع کر دی ہے۔ اس لئے مقدار میں کمی کرنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ جب تمام مستحقدار حاضرین کو حصہ پہنچ جانے کے بعد ایک آدمی کے اندازے کا

میوہ بیچ گیا۔ حضور نے فرمایا یہ تیرا ہے۔ حضرت کے ایک خادم میاں محمد اسماعیل صاحب کا کہنا ہے کہ ابتدائی دینی نصاب ہیں نے خواجہ صاحب سے حاصل کیا ہے۔ ایک دن ہم جب خواجہ صاحب کے بیر کھلنے باہر گئے تو ایک عورت مسماۃ بانی نے ناجائز باتیں کہہ کر بیروں سے منع کر دیا۔ حضرت صاحب واپس تشریف لے آئے اور زبان مبارک سے کچھ نہ کہا۔ اتفاقاً اسی دن اس نے تیلور کیا تو خواب میں دیکھتی ہے کہ کسی غائبانہ اور وحشت ناک بلا نے اسے پکڑ لیا۔ وہ باسمجھ عورت فوراً اپنا قصور سمجھ گئی اور حضرت سے معافی مانگ کر بیعت ہو گئی۔ سچ ہے جس کا تعلق خدا سے ہو ساری دنیا اس کے تابع ہو جاتی ہے۔ نیز مولانا عنایت اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ حسن نامی ایک آدمی ساکن نکہ افغاناں نے بیان کیا کہ جب تک خواجہ صاحب کا شہرہ عام نہیں ہوا تھا تو میں نے حضرت فاضل شاہ صاحب سے عرض کی کہ یہ درویش ہمیں مسجد کی امامت کے لئے دیدو۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ تو اس درویش کو کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مجھے ان کی اس بات پر بہت غصہ آیا۔ اور میں نے کہا کہ ہم اتنے مقبول آدمی ہیں اور ایک درویش کو کھانا نہیں کھلا سکتے حضرت شاہ صاحب نے تبسم فرمایا کہ تم اپنے جیسا امام مقرر کرو۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن ہم گاؤں کا لانگ شاہ صاحب کی زیارت کے لئے گئے۔ جب ہم قدمبوسی سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ خواجہ میر وہی بڑا سے زیارت تشریف لا رہے ہیں۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ حضرت خواجہ مستر مریدوں کے ہمراہ تشریف لے آئے تو یہ ماجرا دیکھ کر میں اپنی سابقہ

بات پر پشیمان ہوا ہے

ریاض ان اللہ والوں کے انداز نرالے ہوتے ہیں
چھوڑ کے دنیا ساری کو بہ رب کے حوالے ہوتے ہیں

حضرت خواجہ کو خلافت اور بیعت کے لئے اجازت

حضرت قبلہ عالم تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلفاء کرام اکناف عالم میں ستاروں کی طرح پھیلے ہوئے تھے مگر آپ کے عظام خلفاء کرام میں سے حضرت مولانا محمد علی صاحب مکھڈوی علیہ الرحمۃ تھے ۔ مکھڈ شریف دریائے سندھ کے کنارے آپ نے اقامت کی اور تادم زندگی یاد خدا اور علم دین کی تدریس میں مصروف رہے ۔ حضرت قبلہ عالم کی نگاہ شریف ان پر ایسی خصوصی درجہ کی تھی ۔ کہ آپ کے جمیع خلفاء انہیں اپنا بڑا پیر بھائی یعنی قائم مقام پیر تصور کرتے تھے ۔ قبلہ عالم کی حیات ظاہری کی یہ دنیا کو داغ مفارقت دے کر عالم برزخ میں جا رونق افروز ہوئے ۔ ان کی فاتحہ خوانی کے لئے قبلہ عالم خود تشریف لاسکتے اور جہاں روضہ شریف ہے حضرت مولانا صاحب آرام فرما ہیں اس کا سنگ بنیاد قبلہ عالم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا ۔ خواجہ احمد میروی اور گڑھی شریف والے شاہ صاحب بھی انہیں اپنا بڑا پیر بھائی سمجھنے کی وجہ سے ہر سال مکھڈ شریف عرس مقدس پر تشریف لاتے تھے ہمارے خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ ایک دفعہ میں حضرت مکھڈوی کے عرس پر حاضر ہوا تو سید فاضل شاہ صاحب بھی وہاں جلوہ فرما تھے ۔ ایک دن میں ان کی محفل میں بیٹھا تھا اور بہت سے دیگر متعلقین بھی حاضر خدمت تھے کہ اچانک سلسلہ گفتگو

کی طرف کوئی جھگڑا ہو گیا۔ سب لوگوں کو شور کی آواز آئی تو سب ادھر بھاگ گئے ہیں اور حضرت قبلہ شاہ صاحب اکیلے رہ گئے۔ حضرت شاہ صاحب مجھے اٹھا کر خلوت میں لے گئے اور فرمایا کہ وقت اخیر ہے۔ لہٰذا آپ عوام وخواص کو بیعت کریں اس لئے کہ اس دور میں لوگوں کا ایمان خطرے میں ہے۔ میری طرف سے آپ کو اجازت ہے اور یہ اجازت قبلہ عالم حضرت شاہ سلیمان اور پیران عظام کی ہے میری نہیں۔ حضرت میروی فرماتے ہیں کہ میں نے قبول کر کے سلسلہ بیعت میں شاہ صاحب کے حکم کی تعمیل کی مگر عموماً بیعت سے پرہیز و اجتناب کیا۔ خاص کر تونسہ شریف میں تو ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی کو بیعت نہ کرتا تھا۔ پھر جب میں تونسہ شریف ایک عرس شریف پر حاضر ہوا۔ تو خواجہ حافظ بخش صاحب تونسوی نے از روئے تاکید حکم فرمایا۔ کہ تم ہر ایک چھوٹے بڑے کو بیعت کرو۔ چنانچہ ان کے فرمان کے تحت جو آیا اسے پیران عظام کے حوالے کر دیا۔ اور ان کا سلسلہ للہ الحمد راقم الحروف عرض رساں ہے ؎

کل جہاں میں روشن ہے مقام تونسوی
عالم عرفان میں روشن ہے مقام تونسوی

حضرت خواجہ میروی کے کردار و معمولات

تمام عمر نماز با جماعت ادا فرماتے رہے۔ اگر گھر ہوتے تو نماز صبح کے بعد آبادی سے دور تشریف لے جاتے اور واپس مغرب کو تشریف لاتے۔ شام کے بعد چند گھڑیاں خلوت اختیار فرماتے۔ شہرت سے پہلے مذکورہ سلسلہ تھا۔ لیکن جب مشہوری زیادہ ہوگئی۔

لوگ آپ کو کھلی جگہ تنگ کرتے اور ذکر و فکر میں خلل انداز ہوتے۔ اس وقت کی بنا پر مزار شریف سے مغربی جانب ایک خوشنما ڈھیری پر ایک چھوٹا سا مکان بنوایا جس میں یادِ خدا کرتے اور اس کے قریب پانی کے اجتماع کے لیئے ایک بند بنوایا اور اس کے کنارے چند کوزے رکھوا دیئے تاکہ جب بارش کی وجہ سے یہاں پانی جمع ہو تو لوگ وضو کریں۔ نیز اپنی ضروریات میں پانی استعمال کریں۔ آپ کا یہ صدقہ جاری ہے اور اب تک موجود ہے۔ البتہ وہ بند اب بسعی جناب صاحبزادہ منظور احمد صاحب منظور نظر حضرت سجادہ نشین مدظلہ العالی تالاب کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے اور لوگوں کی ضروریات کا سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ زیور خوبصورتی سے بھی مزین ہو چکا ہے۔ بہرحال خواجہ صاحب کی ایک یادگار ہے جس کا نقشہ تھوڑا سا تبدیل نظر آتا ہے۔ جب آپ کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی اور مذکورہ مقام پر پہنچنا دشوار ہو گیا۔ تو بستی کے قریب ہی خیمہ لگوا کر یا اقامت والے بنگلے کو بند کر کے اندر ذکرِ الہٰی میں مشغول ہو جاتے، اور وقت مقررہ تک کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ آپ جب سفر فرماتے تو صبح نماز سحری ادا فرما کر بعد ازاں درود و وظائف سے فارغ ہو کر چلتے تھے اور نماز ظہر کے بعد بھی حسب معمول اپنے وظائف سے فراغت کر کے چلتے اور شام تک کسی آبادی میں پہنچ جاتے۔ آخری عمر میں آپ نے سفر بند کر دیا تھا۔ بغیر کسی مجبوری کے۔ بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ تاہم تین سفر آپ کے ضروری تھے۔ تونسہ مقدسہ حضرت قبلہ عالم کا عرس مقدس گڑھی شریف حضرت فاضل شاہ صاحب کا عرس پاک گھمنڈ شریف۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کا عرس اور بزرگانِ دین کی محبت یہاں تک دامن گیر تھی کہ فرمانے لگتے۔ اگر قوت ہو۔ تو

دینین سفر پا پیادہ طے کرتے چاہئیں۔ اس لئے کہ ایک ایک قدم کے بدلے بے حد ثواب ملتا ہے۔

محل اپنا اپنا مقام اپنا اپنا
کرتا ہے ہر کوئی کام اپنا اپنا

میرے شریف پانی کی کافی تکلیف واقعاً چلی آتی تھی اور خصوصاً خشک سالی میں الامان اور جب حضرت صاحب کی وجہ سے اجتماع خلق زیادہ ہونے لگا۔ تو مذکورہ تکلیف دن بدن زیادہ ہونے لگی۔ اور جب تالاب وغیرہ خشک ہوجاتے۔ تو ننگر کا پانی دُور دراز سے لانے میں بے حد دقت پیش آتی۔ خواجہ علیہ الرحمۃ نے لوگوں کی تکلیف کو مدنظر رکھ کر کنوئیں کھودنے کا خیال فرمایا۔ آپ نے چند تجربہ کاروں سے اپنے مبارک خیال کا اظہار فرمایا۔ تمام نے جواب نفی میں دیا اور کہا کہ یہاں پانی کا حاصل ہونا محال سے کم نہیں۔ اس لئے کہ بارہا کے تجربے سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اور مکھڈ شریف کے مختلف طبقے مثلاً ملان پراچگان اور ہندو لوگوں نے بڑی کوشش کی ہے کہ کسی طرح میرہ شریف کے ارد گرد کوئی کنواں کامیاب ہوجائے۔ لیکن کلی طور پر مایوس ہوئے حضرت نے فرمایا۔ ہم کنواں کھودیں گے۔ چنانچہ توکلاً علی اللہ کام شروع کیا۔ کافی دور تک پانی کا اثر نظاہر ہوا لیکن حضرت صاحب کرم کے یقین میں بھی ذرہ بھر تزلزل نہ آیا۔ لوگ حیران تھے کہ حضرت خواجہ مطمئن اور بے فکر ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ جب کنوئیں کی گہرائی ایک سو ہاتھ تک پہنچ گئی تو لوگوں کے تعجب کی حد نہ رہی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے ولی کی عزت و عظمت کو برقرار رکھا اور یک لخت پانی نے اس طرح فوارہ چھوڑا۔ کہ گویا دریا سے کوئی نہر کاٹ کر کنوئیں میں ڈال دی گئی ہے۔

مذکورہ کنواں چونکہ مسجد سے کافی دور ہے اس لئے اس کا پانی مسجد میں باہم پہنچانے کے لئے جو انتظام کیا گیا اور جس جد وجہد سے اتنی دور سے مسجد میں پانی پہنچایا گیا اس کی تفصیل کی ہمیں چنداں حاجت نہیں۔ اس لئے کہ ہر آدمی آ کر مشاہدہ کر کے حضرت خواجہ کی علو ہمت اور رفیع مرتبت کا خود ہی نہ صرف معترف بلکہ اچھا خاصہ معتقد بن جاتا ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ مذکورہ کارروائی کو دیکھ کر انسانی عقل محو حیرت رہ جاتی ہے مگر سہ

ان کے حریم ناز میں عقل و خرد کو کیا دخل

جن کی گلی کا ہر ذرہ جہان نازہے

حضرت خواجہ انتہائی متوکل اور مستغنی الطبع تھے۔ ساری حیاتی باوجود شدید خواہش کے کسی تونگر آدمی کے دروازے پر جانا روا نہ سمجھا۔ بلکہ اگر کسی دنیا دار نے بلایا تو بھی عدم قبول کو ہمیشہ ترجیح فرماتے رہے اور توکل کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ چونکہ بے پرواہی آپ کی زندگی کا ایک اہم شعبہ تھا اس لئے اس کی تشہیر پیش کرنا لازم ضروری ہے۔ خواجہ صاحب نے خود بیان فرمایا کہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہمیں احمد خاں نامی نواب بہاولپور نے تونسہ شریف میں رہنے والے درویشوں کی فہرست مانگی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ میں ان سب کا ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تمام علماء کرام اور طلباء حضرات کی فہرست بالتفصیل اسے بھیج دی گئی۔ خواجہ صاحب قبردی کا کہنا ہے کہ میں نے اسناد صاحب نے مجھے فرمایا کہ تمہیں مسرت ہونی چاہیئے کہ میں نے تمہارا نام بھی فہرست میں درج کر دیا ہے۔ لہذا آپ بھی فقر کی تباہ کن تکالیف سے بے نیاز ہو کر مصروف علم ہو جائیں گے میں یہ سن کر رو نے لگا اور عرض کی میں اپنا وطن عزیز خدا کی محبت کے لئے ترک کر کے

خواجہ کے دربار پر مقیم ہوا ہوں اور ہشتی پیران عظام کی رضا کے لئے تنگی دامانی قبول کی ہے لہذا اس کے بغیر کسی سے توقع ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ استاد صاحب نے وظیفہ قبول کرنے کے لئے ہر طرح آمادہ کیا۔ لیکن میں نے معذرت کا دامن نہ چھوڑا۔ بالآخر قبلہ استاد صاحب نے فرمایا۔ کہ تمہارا وظیفہ کسی دوسرے متعلم کو دے دیں گے جو آپ کا ہم نام ہوگا۔ میں نے انتہائی خوشی سے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں عنایت فرمادیں۔ جب تک وہ وظیفہ جاری رہا تمام درویش انتہائی خوشی سے بسر اوقات کرتے رہے۔ اور میں پرانے جامہ اور سوکھی روٹی پر قانع رہا۔ اتفاقاً خواجہ خوبگان کے معتقدین میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ اس متعلم نے وظیفہ چھوڑ کر توکل کا دامن تھام لیا ہے۔ چنانچہ تمام لوگ میری طرف متوجہ ہوئے اور ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق میری دلداری کرنے لگا۔ حتیٰ کہ وظیفہ خوار حضرات سے فزوں تر خوشحال ہوگیا۔ تھوڑے ہی ایام کے بعد احمد خان موصوف فوت ہو گیا۔ تو تمام درویش وظیفے کے بند ہو جانے کی وجہ سے انتہائی متاسف اور غمناک ہوئے اور حقیر کا وظیفہ بزرگان دین کی برکت سے اور خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدستور جاری و ساری رہا۔ بعد میں بعض احباب نے مجھے کہا کہ تیرا چونکہ خدا پر بھروسہ تھا اس لئے تجھے احمد خان کی موت سے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ اور جنہوں نے انسانی وظیفہ پر بھروسہ کیا تھا وہ آج اس طرح غمناک ہیں جس طرح آدمی اپنے والد کے فوت ہونے سے ہوتا ہے۔ اما چند حق گو لوگوں نے کہا کہ جو کچھ تو نے سمجھا تھا ہم نہ سمجھ سکے۔ حقیر اس مقام پر یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہے ؎

توکل علی اللہ بڑی چیز ہے   ہو خدا پر بھروسہ بڑی چیز ہے

دوسرا واقعہ جس کے متعلق تھوڑا سا بیان ہو چکا ہے ۔ جب برائے تعلیم آپ ایک غریب محلے کی مسجد میں اقامت پذیر ہوئے لوگوں کی بے سروسامانی کی وجہ سے کھانے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا ۔ ایک دن استاد صاحب نے خواجہ صاحب سے پوچھا کہ تمہارے طعام کا کیا انتظام ہے تو انہوں نے عرض کیا کوئی انتظام نہیں فرمایا ۔ فلاں مقام پر حضرت شیخ طریقت ۔ متبع شریعت جناب شیخ بہاؤ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ایک صاحب ، نہایت مخیر اور رحم دل سکونت پذیر ہیں ، اگر ان سے کوئی درویش استمداد چاہے تو وہ اس کی دست گیری فرماتے ہیں ۔ لہٰذا ان کے پاس چلے جاؤ ۔ میں اپنے استاد صاحب کا فرمان سن کر چپ رہا اور غیرت نے دنیا دار کے دروازے پر سوالی ہو کر جانا گوارا نہ کیا ، باوجود اس کے کہ میرا اسا الفقیر محمد یعقوب بھوک کی وجہ سے بے تاب تھا ۔ میں نے اسے توکل پر تکیہ کرنے کے متعلق کہا ، دوسرے دن استاد صاحب نے جانے کے متعلق استفسار فرمایا تو میں نے نفی سے جواب پیش کیا ۔ نیز استاد صاحب غصے ہوئے اور کہا ، آؤ میرے ساتھ ۔ جب مذکورہ آدمی کے مقام کے نزدیک پہنچے تو میں نے دست بستہ عرض کی کہ حضور رازق حقیقی کے دروازے کو چھوڑ کر دنیا دار کے دروازے پر جانے سے موت اچھی ہے ۔ استاد ذی المکرم میری عرض مان گئے اور واپس ہو پڑے ۔ اتفاقاً چند ایام کے بعد وہاں کے لوگ خوشحال ہو گئے اور ہم بفضل اللہ مزے کرنے لگے ۔

کریم سے جو ملنگے وہ کامیاب ہے
چھوڑے جو در خدا کا نا سمجھ اے ریاض ہے

ایک اور شاندار واقعہ!

حضرت خواجہ کا ہر سال گڑھی شریف برائے زیارت اور پھر تونسہ شریف میں منقصد تشریف لے جانا قارئین حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید براں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ نواب مظفر خان صاحب رئیس کالا باغ نے جو کہ حضرت فاضل تونسوی صاحب کے غلام اور میرے ساتھ حسن عقیدت رکھتے تھے مجھے کہا کہ آپ تونسہ شریف جاتے ہیں اور کالا باغ راستہ میں ہے لہذا مجھے مل کر تشریف لے جانا، تو میں نے اچھا کہا بقدر انشاء اللہ جب سفر کا موقع آیا تو شاہ صاحب قبلہ نے ایک تحریر نامہ مجھے نواب صاحب موصوف کے نام کے لکھ دیا۔ جب میں کوٹ فتح خان کی شمال مشرقی طرف موضع گڑھ میں پہنچا اور بعد از نماز ظہر اپنے وظیفہ سے پہلے شاہ صاحب کا نامہ مذکور پڑھا تو اس میں شاہ صاحب قبلہ نے میرے متعلق تعریفی کلمات نقل فرمائے تھے لیکن میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس خط کو سفارش بنا کر دنیا دار کے دروازے پر جانا زیبا نہیں لہذا خط سے قبلہ شاہ صاحب کا اسم گرامی نکال کر باقی خط کو ریزہ ریزہ کر کے مسجد کی دیوار کے سوراخ میں رکھ دیا اور نواب صاحب سے ملاقی نہ ہونے کو ذہن میں رکھ کر منہ چھپا لیا اور باوجود اس کے کہ عیسیٰ خیل کی سڑک نواب صاحب مذکور کے مکانوں سے گذرتی ہے ہرگز اطلاع نہ دی۔ مگر اس کے ملازموں میں سے کسی نے مجھے دیکھ لیا۔ اور جا کر انہیں اطلاع دی۔ انہوں نے ایک گھوڑا سوار کو کہا کہ جاؤ اور جہاں بھی خواجہ صاحب ملیں انہیں لے آؤ۔ وہ مجھے وہ کوٹ چاندنہ جا ملا میں نے اسے نواب صاحب کے پیغام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم تونسہ

شریف کی طرف اُٹھ چکا ہے اس کا واپس ہونا محالات سے کم نہیں۔ البتہ یہ بات جو نواب صاحب نے کہی ہے کہ اگر واپس نہ آئیں تو یہاں شب باشی فرمائیں اس جگہ کا مکمل پتہ دیں گے میں خود حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ لہذا انہیں کہہ دینا کہ میں آج رات کوٹ چاندنہ بسر کروں گا اور ان کی خاطر داری کے لئے اپنے معمول سابقہ کے خلاف نماز تہجد کے بعد سفر کرنے کے بجائے صبح کی نماز یہاں با جماعت پڑھ کر چلوں گا۔ لہذا اگر آنا مقصود ہو تو آجائیں چنانچہ ایسا ہی کیا، نہ معلوم نواب صاحب آئے یا نہ مگر مشرف زیارت سے محروم رہے۔ مذکورہ واقعات سے خواجہ صاحب کا استغناء اور بے نیازی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ اگر آج کل کا کوئی عام پیر ہوتا تو شکرانے کے نوافل ادا کرتا کہ اتنے بڑے آدمی نے مجھے بلایا ہے۔ مگر سے

کجا یہ حرص اور کجا شانِ احمد
کروں کے دریا فنا فرق پڑ گئے ہیں

زمانے میں فتنے کی لہریں ہیں جاری تو
جو مٹانے تھے فتنے سفر کر گئے ہیں
یا اللہ تا ابد آستانہ رہے یہ
ان کے صدقے جو زندگی بسر کر گئے ہیں
ریاض ہے عمل اس طرز پر ضروری!
میرے احمد جس کی خبر کر گئے ہیں!
نہ گئے تو دنیا داروں کے دروازوں پہ خود
اپنے درویشوں کو بھی زنیہ کر گئے ہیں۔

حضرت خواجہ کے سماع کے حالات مع مزامیر و آلات

جناب مولانا محمد نواز صاحب کا کہنا ہے کہ میں حضرت خواجہ کی معیت میں تقریباً تیس برس تک رہا۔ سماع کے متعلق آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ مشائخ کے عرسوں

پر بغیر آلات و مزامیر کے غزلیں اور مولود شریف سنا کرتے تھے اور میرا شریف، عام مجلس کے موقع پر مزامیر وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اور میرو شریف کے علاوہ کسی محفل میں اگر آلات مذکورہ ہوتے تو آپ شارع کا اتباع کرتے ہوئے تھوڑا سا توقف فرماتے اور بعد اذاں تشریف لے جاتے۔ البتہ اگر کسی مقام پر لذت و انس ہو جاتا تو آخر تک تشریف فرما ہوتے اور بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی اپنے خصوصی احباب کو لے کر آبادی سے بعید تشریف لے جاتے اور مع مزامیر قوالی سنتے۔ معلوم ہوا ہے کہ خصوصی احباب مندرجہ ذیل احباب ہوا کرتے تھے۔ حضرت جناب مولٰنا مولوی احمد خان صاحب سجادہ نشین اول جناب مولانا مولوی امیر احمد صاحب بسالوی جناب سید احمد شاہ صاحب اور حضرت میاں جلال الدین صاحب المعروف استاد جھنگی والے اور جناب مولٰنا مولوی صاحب صالح محمد امام مسجد اٹک کے علاقے کے ایک قوال مسمی فقیر حسین صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ معہ مزامیر خواجہ صاحب کو قوالی سنایا کرتا تھا اور پہلا مصرع یہ کہا تھا

عشق میں جس نے سر دیا وہ جگ میں جیا تو کیا ہوا

بوقت غزل سرائی جناب سید احمد شاہ صاحب کا چہرۂ انور زرد ہو جاتا اور آنکھوں سے پانی کی نہریں چل پڑتی تھیں۔ حضرت اعلٰی کے تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ کی مجلس پر رحمت میں ایک دفعہ سماع کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ صوفیائے کرام اپنے لئے سماع کو اس وجہ سے روا رکھتے ہیں کہ جب زیادہ نوافل و شواغل عبادات کی وجہ سے ان کے مزاجوں پر گرانی ہوتی ہے تو وہ چند گھڑیوں کے

لیے برائے استراحت خوش الحانی سے مولود اور غزلیں سنتے ہیں اور اس کے سوا لہو و لعب کے طور پر اسے حرام سمجھتے ہیں اور اس قدر سماع کی شریعت مطہرہ میں رخصت ہے اس لیے کہ تفسیر احمدی کا یہ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الایۃ کے تحت قوالی کی دونوں قسمیں بیان کر کے بالآخر اس طرح فیصلہ کیا کہ جس شخص کو سماع سے طاعت اور خالق کائنات کی عبادت میں ذوق اور لذت پیدا ہو نیز دنیا سے انقطاع کا جذبہ پیدا ہو تو اس کے لیے حلال ہے اور جس کو شہوت اور خیالات شیطانی پیدا ہوں تو اس کے لیے حرام ہے اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھے ۔

جہاں پر سماع است مستی و شور
ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

نیز گلدستہ تعبیریہ میں اعلیٰ حضرت میرؔی کا سماع کے متعلق جو نظریہ ہے اسے یوں بیان کیا ہے (ملفوظ) فرمایا کہ سماع ان لوگوں کے واسطے ہے جن کو صفائی باطن پوری حاصل ہو جائے اور جن کا قلب اور نفس ابھی نقوش اغیار اور محبت ماسوی اللہ سے پاک اور صاف نہیں ہوا سماع سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے جیسے کاغذ پر سیاہی ہو اور اس پر تیل مل دیا جائے ۔ سماع کے آداب نگاہ رکھنے ضروری ہیں ۔ مثلاً مستورات نہ ہوں ۔ اور اہل لہو و لعب نہ ہوں ۔ سامعین اور پڑھنے والے پابند شریعت ہوں اور با وضو مؤدب بیٹھیں اشعار کے مضامین مطابق شریعت ہوں ۔ از گلدستہ تعبیریہ صفحہ ۸۳

حقیر کے خیال میں سماع کے بارے میں حضور حضرت خواجہ اعلیٰ ہیروی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان مثیر ایمان کے بعد کسی توضیح و تفصیل کی ضرورت نہیں ۔ امید ہے کہ خواجہ غریب النواز کے دربار گوہر بار سے تعلق رکھنے والے خواص و عوام حضرت کے فرمودہ طریقہ کو اپنا مشعل راہ بنا ئیں گے ۔ حضرت کے فرمان کی عزت و عظمت ہر طرح ملحوظ رکھیں گے ۔ واللہ الموفق والسداد (حضرت خواجہ صاحب غریب نواز کے ملفوظات جناب مولنا محمد نواز صاحب ساکن کوٹ عباس رحمٰن کا تذکرہ ہو چکا ہے) نے حضور اعلیٰ کے ملفوظات و کرامات فارسی زبان میں قلمبند فرمائے تھے ۔ مولنا موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت اعلیٰ ایک دن اپنے حلقہ بگوشوں میں جلوہ افروز تھے ۔ کہ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے فرمودہ وظائف پر اگر میں کچھ عرصہ مداومت اختیار کروں تو دل میں پریشانی پیدا ہو جاتی ہے اور مختلف خیالات کی وجہ سے سودا کی مرض سر اٹھانے لگتی ہے غموم مصائب کا غلبہ ہو جاتا ہے ۔ بالآخر وظائف چھوڑ دینے سے طبیعت بحال ہوتی ہے ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ۔ اوراد و وظائف کا ترک کر دینا سالکوں کا طریقہ نہیں ۔ البتہ اگر جسم میں ضعف محسوس ہو تو وظائف کو ذرہ کم کر دینا چاہیئے ۔ اور سردیوں میں زیادہ گرم اور گرمیوں میں شدید سرد دوائیں استعمال کرنی چاہئیں ۔ اس لئے کہ وظائف پڑھنے والوں کے لئے یہ دوائیں انتہائی مفید ہوتی ہیں ۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ جسم کو قوت دینے والی دواؤں سے علاج کرنا چاہیئے نیز ارشاد فرمایا کہ محبوب کل سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وظائف پر مداومت کو پسند فرماتے تھے ۔ لہذا ہر رہ خدا کو چاہیئے کہ دل کو غیروں کے خیال سے پاک کرے اور دنیاوی رابطے منقطع کر دے تاکہ خالق کائنات سے اس کا پورا ربط ہو جائے ۔ اور

بالغرض طالب حق کو باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے حصول مقصد میں ناکامی ہو تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ سچی محبت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ابتدا سے انتہا تک صبح شام یاد الٰہی میں مشغول رہے اور یقین جانے۔ کہ خدا کی معرفت مجھے ضرور ہو گی اور اس نعمت سے مجھے ایک وافر حصہ نصیب ہو گا بعد ازاں حضور اعلیٰ نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک قصہ بیان فرمایا۔ کہ حضرت موصوف نے فرمایا کہ میں نے معرفت الٰہی کے حصول کے لئے پچاس برس رات دن مجاہدے کئے اور پھر بھی بے حد جدوجہد کے بعد مالک کائنات نے اپنے فضل و کرم سے اپنے عرفان کا تاج میرے سر پر رکھا۔ ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیاء کی جماعت میں ان کا لقب شریف امام الطائفہ مقرر ہوا۔ اور مالک الملک نے انہیں وہ مقام عطا فرمایا کہ ان کے علاوہ بہت کم لوگوں کی وہاں تک رسائی ہوئی۔

اس کے بعد خواجہ علیہ الرحمۃ نے یہ شعر پڑھا ؎

سالکا اسلام گر آسان بُدے
ہر کسے چوں شبلی و نعمان بُدے

راقم الحروف اس کا ترجمہ عرض رساں ہے ؎

شبلی و نعماں جیسا کیوں کوئی اب ہے نہیں
اس لئے کہ سالکا اسلام آسان شئے نہیں

پھر آپ نے فرمایا۔ مخلوق خدا پر شفقت ہونی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ الفت۔ اس مدعا پر بطور دلیل فرمایا کہ شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے جگر گوشہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم سے مجھے بہت

محبت ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ حضور آپ کو محبت خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ البتہ میرے ساتھ شفقت ضرور ہے۔ اس لئے کہ محبت کی شرط یہ ہے کہ جو کچھ محبوب کہے وہ کیا جائے۔ کیا جو کچھ میں کہوں آپ کریں گے۔ فرمایا کروں گا۔ عرض کی اگر میں کہوں کہ آپ ایک نماز فرض ترک فرمائیں یا جو کام کہ شریعت میں ناجائز ہے اس پر امتثال کریں۔ تو آپ میرا کہنا مانیں گے۔ ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ جس کام سے خداوند کریم ناراض ہو وہ کام میں بالکل نہیں کرتا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ یہی محبت ہے جو آپ کو اپنے پروردگار حقیقی سے ہے اور میرے ساتھ آپ کی بے حد شفقت ہے۔ حقیر کہتا ہے ؎

خدا کی محبت بڑی چیز ہے

در حقیقت ریا غنا یہی چیز ہے

پھر حضرت نے فرمایا۔ کہ مرد خدا کو شریعت پر مضبوط صراط مستقیم پر محکم رہنا چاہیے اور مخلوق خدا سے اس پر کوئی بھی ناراض نہ ہو ا۔ اس کے بعد آپ نے دیوان حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ از مؤلف ؎

تفسیر ہے حرف کی آسائش جہاں:

دوستوں سے ہو مروت صلح با دشمناں:

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، کہ ایک دن باعث کائنات علیہ السلام نے ازراہ شفقت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ آج جو چیز طلب کرنی ہو کرو۔ میں دوں گا۔ عرض کرنے لگیں کہ میں اپنے ابا جان سے مشورہ کر لوں گی۔ بعد از مشورہ عرض کی، کہ جن بھیدوں کو عوام کے سامنے افشا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا ہے ان میں سے کوئی بیان فرما دیجئے۔ حضور پر نور علیہ السلام ذرا متحیر ہوئے کہ ادھر خداوند تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور ادھر وعدہ کر چکا ہوں۔ اب کیا ہو۔ اسی تردد میں تھے۔ کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ ام المومنین کی خواہش پوری فرمائیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلق خدا کا دل خوش کرنے میں بے حد ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ بالآخر فرمایا، کہ ان اسرار میں سے ایک بھید یہ ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آقائے دو عالم کا فرمان ابا جان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش فرمایا۔ یار غار نے سن کر بوجہ اضطراب ایک سوز بھری آہ کھینچی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ تمام اعضا پر رعشہ کی صورت طاری ہوئی۔ آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ حضرت ام المومنین نے باادب عرض پیش کی کہ ابا جان میں تو ختم الرسل علیہ السلام سے تحفہ اور سرور بھری خبر لائی تھی آپ بجائے خوشی کے غم میں مبتلا ہو گئے آخر وجہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اے لخت جگر جب اللہ کی مخلوق کو خوش کرنے سے اتنا اجر ہے تو مخلوق خدا کو ناراض کرنے سے عذاب کتنا ہو گا۔ میں اس سبب بے ہوش ہو گیا کہ اگر مجھ سے کوئی آدمی رنجیدہ خاطر

ہو تو میرا کل قیامت کو کیا حال ہوگا۔ لہٰذا مجھ پر خوشی و اسرار کا دوسرا پہلو غالب آگیا۔ خوب فرمایا ہے کسی نے ؎

زمانہ معترف ہے اے صدیق تیری شان کا
صداقت کا امانت کا ایقان کا ایمان کا!

خواجہ صاحب نے اس کے بعد کہا کہ حضرت صدیق اکبر جب کسی کا دل آزردہ کرنے سے اتنے خوف زدہ ہوئے تو ہماری کیا حالت ہوگی۔ آگے فرمایا۔ اے درویشو! ہمیشہ عوام سے جُدا ہوکر مجاہدوں میں کوشش کرو اور خلق خدا کا دل خوش کرنے کے لئے خوب چستی سے کام لو۔ نیز فرمایا کہ اہل سلوک نے اس مشہور شعر کے دو معنے کئے ہیں ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

راقم الحروف نے دونوں معنوں کو دو شعروں میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیے،

غیر سے تو دُور ہو اور رب سے مل
ہزار کعبہ سے ہے بہتر ایسا دل!

؎ دوسرا معنی یہ ہے کہ

خلق خدا پر تُو اے مومن رحم کھا!!
ہزار کعبہ سے ہے بہتر ایسا دل اے باصفا

جناب مولانا محمد نواز صاحب کا کہنا ہے کہ ایک روز خواجہ صاحب میر دی وضو فرما رہے تھے۔ میں اور مولوی محمد حسین صاحب نلہ گنگی، مولوی عبدالباقی صاحب

کرساوی اور دیگر احباب طریقت بھی حاضر تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ جب بزرگوں کی زیارت کو جاتے ہیں تو واپسی پر کہتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ فقیر کچھ نہیں دیتے۔ فرمایا ان کا کہنا غلط ہے اس لئے کہ وہ لوگ بجائے اصلی کام یعنی زیارت کے دنیاوی اغراض مثلاً فقیر سے بیٹا یا عورت یا زمین وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر چلتے ہیں۔ چونکہ ان کی نیت میں خرابی ہوتی ہے اور خدا غرضی حاضری مقصود نہیں ہوتی اس لئے مرد خدا ان کی طرف باطنی توجہ نہیں مبذول فرماتا۔ لہذا جس طرح خالی ہاتھ آتے ہیں ویسے ہی لوٹ جاتے ہیں اس لئے زائرین کو دل صاف ستھرا کر کے بزرگ کے پاس جانا چاہیئے۔ اسے اللہ تعالیٰ کا محبوب سمجھ کر جانا چاہیئے۔ مذکورہ طریقہ کو ملحوظ رکھنے والوں کے لئے زیارت میں کئی فائدے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہر قدم کے بدلے اسے حج کا ثواب اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عطا فرماتا ہے اور دوسرا اس بزرگ کی باطنی توجہ سے فیض یاب ہوتا ہے۔ لہذا اس معاملے میں نیت کا درست اور پختہ ہونا انتہا ضروری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب خالق کائنات نے آدم علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا۔ اور اس کی خبر مخلوق میں پھیلی تو سب حیوانات سے پہلے حضرت کی زیارت کے لئے ایک ہرن ازراہ ارادت وعقیدت حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی الفت دیکھ کر اسے کستوری عطا فرمائی۔ جب وہ واپس گیا تو اس کی خوشبو کی وجہ سے تمام اکناف واطراف خوشبودار اور معطر ہو گئے۔ تو دیگر حیوانات اس سے استفسار کرنے لگے کہ تیرے وجود میں خوشبو کہاں سے آئی۔ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے یعنی خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی زیارت کو گیا تھا۔ اور ان کے

دربار گہربار سے یہ تحفہ مجھے عطا ہو رہا ہے۔ یہ بات سن کر دو سکر جانور بھی اس نیت پر کہ ہمیں بھی کوئی نہ کوئی عطیہ مل جائے گا زیارت کو روانہ ہوئے مگر خالی واپس لوٹے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ حضور ہم سے قبل ایک ہرن حاضر خدمت ہوا تھا اور وہ عطیہ لے کر واپس ہوا۔ اور ہم محروم لوٹ رہے ہیں حضرت سیدنا ابوالبشر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہرن کا آنا محض خدا واسطے تھا۔ اور تمہارا آنا اغراض کے تحت ہے۔ جس قسم کی حاضری تھی اسی نوع کا عطیہ ملا۔
پھر خواجہ علیہ الرحمۃ نے پنجابی شعر ذکر فرمایا ؎

جس پاکی دے وچ یار نہ ملیا او پاکی جان پلیتی
ہکناں نوں رب حجرے ملدا ہک خالی رہن مسیتی

ایک عابدہ کا تذکرہ

حضرت خواجہ صاحب نے بیان فرمایا کہ کوٹ چاندنہ کالا باغ کے متصل ایک دفعہ شب باشی کا اتفاق ہوا وہاں کے لوگوں نے میری بے حد عزت کی اور مجھ سے دعائیں کرائیں ان کی مسجد میں ایک درویش شب بیدار رہتا تھا جس کے ظاہری زہد و تقویٰ کو دیکھ کر مجھے اس سے حسن عقیدت تھی۔ اس نے میرا احترام دیکھ کر اپنے حلقہ بگوشوں سے پر اسرار طور پر کہا کہ معلوم ان چشتی پیروں کے پاس کس قسم کے مکر و فریب ہیں کہ جہاں جاتے ہیں لوگوں کو مطیع کر لیتے ہیں چنانچہ اس فقیر کو دیکھ لو تمام بستی کے لوگ اس کے معتقد ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ نواب صاحب مظفر خاں کالا باغ بھی اس کے مطیع

اور فرمانبرداروں میں شامل ہیں اور یہ ان کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ان سے دوری کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس میں عرصہ دراز سے یہاں اقامت پذیر ہوں۔ رات عبادت اور دن روزے میں گزارتا ہوں، ہر آدمی کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہوں۔ اس کے باوجود میرا کوئی مرید اور مطیع نہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی اس نکتہ چینی سے میری حسن عقیدت جاتی رہی اور کہا دل میں کہ اسے درویش لوگوں کی تسخیر کی طمع کو چھوڑ اور رازق حقیقی سے انس و محبت پیدا کرے

"تا توانی ترک عز و جاہ کن
خویش را شایستۂ درگاہ کن

اس کا ترجمہ بقول راقم یہ ہے ۔

عزت دنیا سے تو بیزار ہو
کر بھروسہ رب پہ اور دلدار ہو:

نیز موضع مصریال کے متعلق فرمایا کہ وہاں ایک پڑھا لکھا آدمی رہتا تھا۔ جس کا کام یاد خدا اور مشغولیت اوراد و وظائف کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ مگر طبیعت میں سختی اور تیزی رکھتا تھا۔ مسجد میں کسی مسافر کو نہیں رہنے دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ اسی مسجد میں عہد طالب علمی میں تشریف لائے تو اس نے آپ کو مسجد سے باہر نکال کر سردی میں رات بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب حضرت سیالوی علیہ الرحمۃ مرتبہ ولایت پر سرفراز ہوئے تو مصریال کا کوئی آدمی حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت

فرمایا کہ فلانی مسجد کا امام زندہ ہے یا نہیں۔ اس نے جواباً عرض کیا۔ حضور زندہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مخلوق خدا کو تکلیف دینے کے لئے بعض آدمیوں کی عمر دراز ہو جاتی ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس امام کی عمر اس وقت ایک سو تیس برس سے زائد تھی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ میروی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب میں میرا شریف اقامت پذیر ہوا۔ تو کچھ مدت کے بعد احباب کو ساتھ لے کر برائے سیر و تفریح مصریال کی طرف گئے۔ اتفاقاً شدید بارش بمع تیز ہوا کے آ پہنچی جس کی وجہ سے ہم مجبوراً اسی امام کی مسجد میں جا پہنچے۔ اس نے ہمارے ساتھ اتنا گندا جھگڑا کیا کہ ہمیں سخت بارش کے باوجود مسجد کو چھوڑنا پڑا۔ بعد ازاں خواجہ صاحب نے فرمایا ؎

کار شیطان مے کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

؎ کرے کم شیطانی تے ولی سداوے ایہہ کیہ رنگ نرالا
دیا فی ہے اس نے لعنت ربدی کہہ گیا میرے والا

پھر خواجہ صاحب نے گڑھی شریف والے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ حقیر اسے اپنے اشعار میں پیش کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق ؎

فاضل شاہ الا دہ کینا جے وچ بیت خانے جا بیٹھے
جب نوں کر بیٹھے یاد آتفا ئیں تے خلقوں جان بچا بیٹھے
بیا پہنچے اوجیدم انتھے واہ واہ قدرت باری بندہ ربدا وچہ تنخلوے کردا سی اک زاری

شاہ فرمایا بندہ سی اوہ بھنا رتبے والا
یاد خدا دے وچ سی ڈبیا رہندا اوہ متوالا

ہندوواں دی ہیں شکل بنائی اُس فرمایا مینوں
وقت گذاریا اتھے بہہ کے کی سناواں تینوں

پر توں اتھے رہ نہیں سکدا تو ہیں جوشاں والا
پردہ میرا نہ کر ظاہر رب ہووی رکھوالا

تیرے رتبے وا ہیں واقف ولی ولی نوں جانے
ٹر جا ایتھوں تاں جے کوئی سانوں نہ پہچانے

شاہ فرمایا ٹر کے کتنا ہویا ہیں روانہ
دیکھ رہا تھا ولیاں دا ایہہ کیہیا لے افسانہ

معلوم ہوا کہ اللہ والے یادِ خدا میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کی رضا کے طالب ہو کر دربدر ٹھوکریں کھانے کو غنیمت تصور کرتے ہیں۔ اور ہر وقت طالب ہوتے ہیں خواہ مسجد میں ہوں یا مندر میں۔ بت خانے میں ہوں یا شراب خانے میں۔ دنیا کو پس پشت ڈال کر ایام زندگی بسر کرتے ہیں چنانچہ ہمارے حضرت خواجہ صاحب اپنے مریدین کو فرمایا کرتے تھے۔
من ترک الدنیا فقد ملک ومن طلب الدنیا فقد ہلک جسنے دنیا کو ترک کر دیا وہ بادشاہ یا فرشتہ بن گیا اور جس نے دنیا کو طلب کیا وہ ہلاکت کے گڑھے میں پڑ گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اس مقولے کو تقویت دینے کے لئے اپنے علاقے کا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ کہ ہمارے

بزرگوں میں ایک غریب آدمی تھا۔ اُس کے ایک بزرگ نے فرمایا۔ فلاں جگہ ایک مخفی خزانہ ہے تو اُس مقام کو کھود کر اپنے قبضے میں کر لے۔ مگر اس شرط سے کہ خزانہ حاصل کر لینے سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک گائے ذبیح کر کے فقراء تیما و مساکین کو تقسیم کر دے اس نے تسلیم کر لیا۔ اور بتائی ہوئی جگہ کو کھودنے لگا۔ بالآخر وہاں سے سونے کی بھری ہوئی ایک دیگ نکلی۔ مذکورہ آدمی نے جب سونا دیکھا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیگ تو میں نے اپنی جدوجہد سے حاصل کی ہے لہذا اس میں سے خیرات کا کیا مطلب۔ اس خطرے کا دل میں آنا تھا۔ کہ ایک ناقابل برداشت زلزلہ آیا جس سے زمین لرز گئی اور سونے کی دیگ وہاں سے اُچھل کر دُور دراز کسی غار میں جا پڑی۔ جہاں پہنچنا مشکل تھا۔ وہ حریص نا اُمید ہو کر رہ گیا۔ سچ فرمایا ہے سعدی علیہ الرحمۃ نے ؎

خبر کن حریص جہانگرد را
قناعت تونگر کند مرد را

مؤلف عرض رساں ہے ؎

خبر کر دو حریصوں کو جہاں میں پھرنے والوں کو
قناعت میں تونگری ہے خدا سے ڈرنے والوں کو

چنانچہ حریص مذکور کی خبر لوگوں میں پھیل گئی اور کثیر التعداد لوگ وہاں جمع ہو گئے اور خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ مگر وہ طالب زر بجائے عبرت و نصیحت کے اس بات پر اڑ گیا۔ کہ میں سونا حاصل کروں گا

اور دگوں کے منع کرنے کے باوجود اس کے خیال میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ آخر اس نے پاؤں رکھنے کے لئے پہاڑ کو کھود کر تھوڑی سی جگہ بنائی اور اپنی کمر سے رسہ باندھ کر لوگوں سے کہا کہ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ میں غار میں جانا چاہتا ہوں اور سونا لاؤں گا۔ انہوں نے یونہی کیا۔ جب اس نے غار میں پہنچ کر دیگ کو ہاتھ لگایا تو دیگ نے اس کو پکڑ لیا۔ اس نے شور مچایا اور لوگوں کو کہا کہ کھینچو۔ جب انہوں نے زور لگایا تو رسہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور وہ بدبخت بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ طالب دنیا کے لئے ہر حال خسارہ ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کے خساروں سے دور رکھے اور اپنے پیارے بندوں کے زیر سایہ رکھے۔ جن کا ذکر خواجہ علیہ الرحمۃ نے یوں فرمایا ہے۔ کہ اہل اللہ کا جسد عنصری فنا ہو کر روح بن جاتا ہے اور پھر تمام جسم سے روحانی آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔ چونکہ روح کو فنا نہیں اس لئے اللہ والوں کے اجسام جو بمنزلہ روح کے ہو جاتے ہیں حیات ابدی سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون الآیت اے قتلوا فی محبۃ اللہ۔ پھر فرمایا کہ سات زمین اور آسمان ان کے نور سے روشن ہو جاتے ہیں۔ پھر اولیاء اللہ کی مذکورہ زندگی پر بطور تشہد آپ نے فرمایا کہ خواجہ خواجگان حضرت محمد شاہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مہدی شاہ صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ شام کی نماز باجماعت کشمیر میں ادا فرماتے تھے۔ اور سنت و نوافل لکھنؤ میں۔ نیز حضرت خواجہ محمد بہرام صاحب خلیفہ خواجہ محمد سلیمان صاحب

نے چوبیس برس وصال کے بعد اپنے بیٹے کو خواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ اس دفعہ لومی وادی کا پانی نہایت طغیانی سے آئے گا اور قبرستان کو برباد کر دے گا مجھے قبر سے نکال کر کسی دوسرے مقام پر دفن کرو۔ لڑکے نے توجہ نہ کی۔ پھر کئی راتیں ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر حضرت کے لڑکے نے مولوی غلام محمد صاحب نکواڑہ والے کو ساتھ لیا اور چند دوسرے آدمی بھی ساتھ لیئے اور مزار شریف کو جا کھودا۔ جب نعش کو دیکھا تو تمام بدن مع کفن صحیح و سالم تھا۔ سر داڑھی اور ابرو مبارک کے بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ ظاہری زندگی میں حضرت کا وجود کمزور تھا لیکن جب قبر سے نکالے گئے تو قوی اور مضبوط تھے۔ بعد از نماز فجر شہر اور گرد و نواح میں منادی کرائی گئی اور لوگ زیارت سے مشرف ہوئے۔ نوشہ شریف آدمی بھیج کر حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب کو بھی کلاچی منگا لیا گیا۔ الحاصل بہرام علیہ الرحمۃ گیارہ دن قبر سے باہر رہے اور بصد احترام دوسرے مقام پر دفن کئے گئے ایک دن حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ حضرت بہرام صاحب کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر زیارت کر رہے تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت بہرام کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ کر بہہ رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی آپ پاؤں کی طرف کھڑے ہیں اس بے ادبی کی وجہ سے وہ عرق ریز ہو رہے ہیں۔ حضرت خواجہ جب ہٹ گئے تو پسینہ خشک ہو گیا۔ اسی طرح خواجہ صاحب پیر دیؒ نے بیان فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب کے والد مرحوم خواجہ گل محمد صاحب کی قبر بہت شکستہ تھی۔ اس لئے انہوں نے انہیں قبر شریف سے نکالا تو ان کا کفن اور جسم خوشبودار اور بالکل صحیح و سالم تھا۔ اور بدن پر ایسی

تازگی اور لطافت تھی کہ گویا اب سوئے ہیں۔ نیز حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک
واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت موصوف ایک دفعہ جسم عنصری سمیت اڑ کر عرش معلی پر جا پہنچے
وہاں کے رہنے والے ملائکہ نے آپ کی بے حد تعظیم کی اور وہاں کے ایک شہر موچہ
کا ذکر فرمایا۔ کہ وہاں ایک آدمی نے ایک چاندنی رات میں جنوب سے شمال
کی طرف چند سفید پوش افراد کو اڑتے دیکھا اور ان کا کلام بھی سنا۔ تذکرہ
نگاروں کا کہنا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ وہ لوگ تونسہ شریف حضرت خواجہ کی
زیارت کو گئے ہوں اور واپس آ رہے ہوں۔ مذکورہ واقعات نقل کرنے کے بعد
حقیر کے خیال میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سے

اولیاء پھرتے ہیں اور اڑتے بھی ہیں؛
اعانت غلاموں کی کرتے بھی ہیں
جیتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں
خدا سے یہی لوگ ڈرتے بھی ہیں
جینا نرالا ہے مرنا نرالا
ان کا ہے ہر کام کرنا نرالا

پھر حضرت نے تصوف کے رنگ میں رنگی ہوئی ایک پربرکات تقریر فرمائی
کہ اے درویشو انسان کا وجود لوہے کی طرح ہے چاہے اس سے تلوار بنائے یا خنجر
یا کوئی اور چیز بعینہٖ انسان بھی چاہے معقول و منقول میں تبحر پیدا کر کے علامہ بن جائے
یا طالب دنیا اور نفس پرست ہو کر ہمیشہ کی گمراہی میں ڈوب جائے یا اللہ تعالیٰ کے
فضل و کرم سے شریعت کے پانی اور طریقت کی دواؤں سے اللہ کی طرف پہنچنے کی تمام

رکاوٹوں کو آہستہ آہستہ عشق کی صیقل پر رگڑتا رہے۔ تو امید واثق ہے کہ خالص نور بن جائے اور عین مطلوب ہو کر اٹھارہ ہزار عالم کا بادشاہ بن جائے اور ان لوگوں کی جماعت میں شمار ہو جائے جنہیں خالق کائنات نے لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون جیسی بے زوال نعمت سے نوازا ہے ؎

خوف خدا جس دل میں ہو وہ دل ہے بے خوف و حزن

ریاض ہو طالب اسی کا ہے عجیب یہ سخن!

حضرت خواجہ نے ایک دفعہ ذکر فرمایا۔ کہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی تصانیف اُن کے زمانے میں ہی مقبول و مشہور ہو گئی تھیں اور ایک شاعر جس کی غزلیں اس کے زعم میں بہ نسبت حضرت سعدی کے اشعار کے نہایت عمدہ تھیں حضرت موصوف سے عداوت رکھتا تھا۔ کہ ان کے کلام کو لوگ کیوں عزیز رکھتے ہیں اور میری طرف کیوں توجہ نہیں کرتے۔ آخر ایک دن وہ حضرت سعدی کی مقبولیت کا سبب تلاش کرنے کے لئے آپ کے حجرے مبارک کی طرف گیا۔ وہاں پہنچا تھا کہ آنکھوں سے پردہ اُٹھ گیا۔ اور حضرت کے حجرے پر انوار و تجلیات کا برساؤ اسے صاف نظر آنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر وہ بہت نادم ہوا اور حسد و عداوت سے توبہ کر کے ارادہ کیا کہ اندر جا کر دیکھوں کہ حضرت سعدی کون سا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے حجرے پر اتنے انوار برس رہے ہیں۔ اندر جا کر دیکھا تو حضرت چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے خون جاری تھا۔ اور نہایت سوز سے پڑھ رہے تھے ؎

برگ سبز درختاں در نظر ہوشیار   در فلنہ فتر نصیب دمعرفت

اس شاعر نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ سعدی جو کچھ فرماتے ہیں عشق و محبت کے رنگ میں فرماتے ہیں۔ اسی لئے ان کا کلام مقبول عام ہے۔ اس قصہ کا ذکر فرما کر حضرت خواجہ نے کہا۔ کہ حقیقی عشاق کا سوز بھرا کلام ہر سننے والے پہ اثر انداز ہوتا ہے اور طمع ساز لوگوں کا کلام خواہ بظاہر کتنا ہی اچھا ہو دل کو ملول اور سیاہ کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عاشق لوگوں کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے محبوب و مطلوب کے صدقے حقیقی عشق کی جھلک عطا فرمائے (حضرت خواجہ کی مریدین کو خاص تلقین)

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جب مرید اپنے شیخ کو عوام و خواص میں بکھیری کرتا ہوتا ہے اور جب مرید دیکھے کہ میرا پیر عوام کو مرید کرتا ہے تو مرید ایسے ہرگز نہ کرے۔ اس لئے کہ بیعت کا معاملہ اجازت پر موقوف ہے۔ نیز فرمایا اگر مرید دیکھے کہ پیر کے پاس مستورات آتی ہیں تو مرید کو چاہیئے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ ورنہ بہت بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ حضرت مولانا محمد نواز صاحب جن کا ذکر ابتداء میں گذر چکا ہے اس مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

ابیات

اے نوازا اقتدا بر پیر کن — تا کشاید بر تو گنجینہ کہن

ہر چہ گوید پیر باید کرونت — تو بنہ بر خط فرماں گردنت

حقیر ان اشعار کا ترجمہ اردو میں پیش کرتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

اقتدا پیر کر تو اے نواز — تب خدا کھولے تیرے دلپر بھی راز

پیر جو فرمائے اس کو کر گزر — مریا حق کہتا ہے اسی میں ہے اجر

سفر کے آداب بزبانِ فیض یاب

جناب مولانا محمد نواز صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ ایک دن میرا شریف سے شرقی جانب قصبہ نکہ میں جہاں لنگر میرا شریف کا کنواں بھی ہے ایک توت کے سایہ دار درخت کے تحت حضرت خواجہؒ نمازِ ظہر کی تیاری فرما رہے تھے کہ ملک غلام محمد ولد جوگی نے عرض پیش کی کہ حضور اس دفعہ میں مع چند رفقاء کے فرید الدہر حضرت پیر طریقت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے پاکپتن شریف جا رہا ہوں لہذا دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ بخیر و برکت میرا مقصد پورا فرمائے اور دو بصحت و عافیت واپس لائے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ حج شریف اور بزرگانِ دین کی زیارت لوگوں کے لئے اس وقت مفید ہے جبکہ ان کے شرائط کو ملحوظ رکھا جائے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایک آدمی کو اپنا امیر سفر مقرر کر کے سارا سفر اس کی تابعداری میں کیا جائے۔ دوسری شرط کہ فسق و فجور اور جنگ و جدال سے کامل طور پر پرہیز اور ہر حالت میں رفیقوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا چاہیئے۔ تیسری شرط کہ سفر میں جو مسرت اور تنگی در پیش آئے اسے قضا الٰہی سمجھ کر اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ چوتھی شرط کہ جس طرح گھر میں فرائض و نوافل وغیرہ معمولات ادا کرتا تھا سفر میں بھی ہمت مردانہ سے کام لے کر انہیں پورا کرے اس لئے کہ معمولات کے ترک سے بعض ناواقف لوگوں کی روحانی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ پانچویں شرط کہ زاد راہ ساتھ لے جائے۔ بلکہ اپنی حاجت سے زائد بھی ساتھ لے جائے۔ تاکہ دوسروں کی امداد بھی کر سکے اور سوال

کرنے سے بچ جائے۔ اس لئے کہ دربدر مانگنا ذلّت اور بعض دفعہ خانے کی خرابی کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر اسی مذکورہ مضمون کی تائید کے لئے قبلہ حضرت صاحب نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ ابتدائی زمانے میں ناآشنائی کی حالت میں کسی کے ساتھ میں پاکپتن شریف حاضر ہوا۔ ان ایام میں جناب دیوان صاحب سجادہ نشین بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ پچاس روٹیاں مہمانوں میں تقسیم کرتے تھے۔ خواہ مہمان ایک، ہوں تو سب لے سے یا سو ہوں تو بھی اُسی پر گزارہ کریں مجھے تونسہ شریف کے علاقے کے رہنے والے آٹھ آدمی ملے جو میرے واقف تھے انہوں نے اپنی بھوک اور عاجزی ظاہر کر کے مجھے کہا کہ تم دیوان صاحب سے ہماری سفارش کرو۔ تاکہ ہمارے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ اس لئے کہ دروازہ کھلنے میں ابھی چند دن باقی ہیں۔ میں نے کہا میری اُن سے واقفیت تو نہیں مگر میں تمہارے لئے کوشش کروں گا۔ چنانچہ میں نے درخواست پیش کی اور خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کی امداد باطنی سے دیوان صاحب نے ان کے لئے دال اور آٹا مقرر کر دیا۔ انہوں نے مجھے دُعا دی اور اس کے بعد دروازہ کھلنے کے ایام میں جب مخلوق کا ہجوم ہوا تو ان میں سے ایک نے میرے پاس شکایت کی کہ میرے بیسؔ روپے چوری ہو گئے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ میرے کمر بند سے پندرہ روپے کاٹ لئے گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا دیکھو ان کے پاس اتنے روپے ہونے کے باوجود لنگر کی روٹی پر گزارہ کرتے رہے اور بھوک و فاقہ برداشت کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کے لئے زیارت کا سفر فائدہ مند نہیں ہوتا سبحان اللہ! کیسی پُرلطف تعلیم ہے۔ جو کہ مریدین و معتقدین و منتسبین کے

لئے صحیح معقول ہیں قابل عمل اور دلیل راہ ہے ؎

برین است بنیاد سیر و سفر
حق فرمودہ است پیر لبو النصر

نماز میں بے نظیر نکات

جناب مولانا محمد نواز صاحب کا کہنا ہے کہ میں ایک دن نماز عصر کے بعد دولت دیدار سے سرفراز ہونے کے لئے بنگلہ شریف میں حاضر ہوا (جس مقام پر اب حضرت خواجہ آرام فرما ہیں اور جس کی شکل اب ایک عالی شان بارعب روضہ مبارک کی ہے جس کا قبہ مبارک آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور جس کی زیب وزینت حقیر کے خیال میں اپنی مثال آپ ہو سکتی ہے۔ تو وہاں مولوی احمد خان صاحب منزال والے بھی حاضر تھے۔ حضرت نے مجھے فرمایا۔ کہ فقہا نے لکھا ہے کہ نمازی بوقت قیام اپنی نگاہ جائے سجدہ پر رکھے بتاؤ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ مولینا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عدم علم کا اقرار کیا۔ مولوی احمد خان صاحب نے عرض کی کہ یہ مسئلہ ملت کی کتب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

میاں صالح محمد صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ میں نے دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بوقت قیام نظر سجدہ گاہ پر ہونی چاہیئے اور دل میں یہ خیال ہو کہ ایک دن اس زمین میں جانا ہے اور بوقت رکوع نظر پاؤں کی پیٹھ پر ہو اور دل میں یہ خیال ہو کہ بوقت نزع سب سے پہلے روح پاؤں سے بدن کی طرف انتقال کرے گی

اور سجدہ میں نظر ناک پر رکھے اور خیال کرے کہ قبر میں سب سے پہلے ناک بدن سے جدا ہو کر مٹی میں جائے گی۔ اور التحیات کے وقت نظر دل کی طرف ہو۔ اور خیال کرے کہ میرا ایمان سینے میں ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ حدیث شریف میں نمازی کو ارشاد ہو رہا ہے۔ اعبد ربک کانک تراہ فان لم تراہ فانہ یراک یعنی آقائے نامدار نے فرمایا کہ یہ تصور ہونا چاہیئے نہ کہ وہ جو آپ نے تقریر فرمائی ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے لا یجوز الصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ اور صوفیاء کرام کا مذہب یہ ہے کہ ہر لحظہ عاشق صادق کا ربط محبوب حقیقی سے مضبوط ہونا چاہیئے اور یہ تصورات جو آپ نے بیان فرمائے ہیں ان سے رابطے کا مطلوب سے منقطع ہونا لازم آتا ہے لہذا آپ کے بیان کردہ تصورات کا کیا فائدہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جو تصورات تم نے بیان کئے ہیں وہ اُن صاحب دل لوگوں کا حصہ ہیں جو ہمیشہ وہمیات باطلہ سے دور اور وظائف باطن میں مشغول و مسرور ہیں اور جو میں نے بیان کئے ہیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو خواہشات نفسانی سے ابھی تک ملوث اور وظائف باطنی سے بعید ہیں البتہ انہیں امید رکھنی چاہیئے کہ تصورات کے وسیلے سے وہ اس مطلوب اصلی تک جو تم نے بیان کیا ہے بفضل خدا پہنچ جائیں گے۔ والحمد للہ علی ذالک

شاہی چھوڑ کر شہنشاہ حقیقی کو طلب کرنیوالے حضرت ابراہیم ادھم کا واقعہ

مولانا محمد نواز صاحب مذکور نے ذکر فرمایا کہ ایک دن دوپہر سے پہلے حاضر

خدمت ہوا تو حضرت چارپائی پر تشریف رکھتے ہوئے مولانا احمد خان صاحب سے باتیں کر رہے تھے۔ میرے بیٹھنے کے بعد سید مبارک شاہ صاحب ڈھوک فتح شاہ والے بھی برائے زیارت تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جب سلطان المشائخ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ کے وجود میں خالق کل محبت نے شعلہ مارا تو آپ نے تاج و تخت ترک فرما کر جنگل کی راہ لی۔ بیابان میں ایک مرد خدا کو دیکھا جو اکیلا توکلاً علی اللہ عبادت میں مشغول ہے۔ حضرت موصوف بھی اسی جگہ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو بارگاہِ الٰہی سے فرشتے اس درویش کے لئے سادہ کھانا لائے اور حضرت کے لئے گوشت وغیرہ اچھے طریقے سے تیار کر کے لائے۔ اس مرد خدا نے دربار ایزدی میں عرض کی۔ یا اللہ مجھے تیری یاد میں مدت گزر چکی ہے مگر ایسا کھانا جو نئے درویش کو تو نے عنایت فرمایا ہے مجھے کبھی نہیں دیا۔ آواز آئی کہ یہ دنیا کی سلطنت چھوڑ کر ذکر و فکر میں مشغول ہوئے ہیں اس لئے بادشاہ حقیقی نے ان کے لئے شاہی کھانا بھیجا ہے اور تم نے جو کچھ گھر چھوڑ کر آئے ہو تمہیں وہی عطا ہو رہا ہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مبارک شاہ گھر میں ناز و نعمت سے پلا ہے اور لنگر میں خشک کھانے پر گذارا کرتا ہے اور کبھی وہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ شاہ صاحب خدا کے لئے یہاں آئے ہیں لہذا وہ اسباب کے مستحق ہیں کہ ہم انہیں اچھا کھانا دیں۔ ہمارا یہ ارادہ ہے اگر اللہ نے فراخی عطا فرمائی تو سبحان اللہ اپنے خدام کی دلداری کیسے انداز میں فرماتے تھے۔

مدینہ منوّرہ سے بشارت نامہ اور حضرت کا جوابی احترام

بشارت الابرار میں ہے کہ خواجہ صاحب کی خدمت عالیہ میں ایک روز خواص و عوام برائے زیارت جمع تھے کہ چٹھی رسان حاضر ہوا۔ اور حضرت کے خطوط خدمت میں پیش کئے۔ ان میں سے ایک خط مدینہ طیبہ سے مسمی احمد خان متوطن علاقہ لاہور نے ارسال کیا تھا۔ کہ میں اپنے گھر میں کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا تھا اور اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ حبیب کبریا بے کس پناہ علیہ التحیۃ والثناء کے دربار گوہر بار کی طرف دوڑا۔ اور پہنچ گیا۔ یہاں عرصہ سات سال سے کس مپرسی کی حالت میں مقیم ہوں اور ایک مدت تک مجھے آقا و مولیٰ کے دربار سے کسی قسم کا ارشاد یا اشارہ نہیں ہوا جس مصیبت مذکورہ سے نجات کا کوئی شائبہ پایا جائے۔ کافی عرصہ گذر جانے کے بعد ایک رات حضور پُرنور محبوب رب غفور نے مجھے ارشاد فرمایا۔ کہ تو حاجت روائی کے لئے میرا شریف جا۔ بیدا ہو کر حیران ہوا۔ کہ میں کہاں ہوں اور نہ معلوم میرا شریف کہاں ہے۔ پھر میں نے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا لہٰذا درخواست ہے کہ اگر اجازت ہو تو حاضری دوں اور اظہار مدعا سے شرفیاب ہوں۔ حضرت نے پہلے دعا فرمائی اور بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے۔ وہ سب آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت ہے ورنہ یہ فقیر اور تم بلکہ سارا جہاں اسی دروازے کا محتاج اور سوالی ہے۔ تجھے لازم ہے کہ

اس دربار گوہر بار کو نہ چھوڑا اور ہم بھی شافع محشر علیہ السلام کے طفیل دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ جب ہمارا یہ خط پہنچے تو ہزار در ہزار تعظیمات و تسلیمات بروضۂ اطہر سرور کائنات پیش کریں ؎

انبیاء اولیاء ہر دو جہاں — از محمد فیض جویاں بے گماں
کہ محمدؐ جلوۂ نور قدیم — رحمت اللعلمین نعم الکریم

مذکورہ واقعہ سے آقائے نامدار کی ذرّہ نوازی اور خواجہ صاحب کی شان امتیازی بمع کئی ایک رموز واشارات کے درخشاں ہو رہی ہے ؎

شاہاں چہ عجب کہ بنوازند گدا را

ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب نماز صبح کے بعد ذکر جہر میں مشغول تھے کہ ایک چور نے مسجد سے آپ کا جُوتا مبارک اُٹھا لیا۔ فراغت کے بعد باوجود شدید تلاش کے جُوتا نہ ملا۔ کسی نے خبر دی کہ ایک آدمی بعد از نماز پنڈی گھیپ کی طرف نہایت عجلت سے جا رہا تھا۔ خیر محمد صاحب نمبردار بمع دیگر لوگوں کے اس کے پیچھے دوڑے۔ حضور نے فرمایا کہ چور کو سزا نہ دینا بلکہ میرے پاس لانا سزا میں خود دوں گا۔ ملک فتح خان ذیلدار نے عرض کی۔ حضرت سردی ہے آپ آرام گاہ میں تشریف لے جائیں۔ ہم جُوتے چور سے لے کر پہنچا دیں گے۔ دراصل ان کی نیت تھی کہ چور کو خوب سزا دیں گے تاکہ آئندہ ایسا فعل نہ کرے لیکن حضرت صاحب نے نہ مانا اور مسجد میں ہی تشریف فرما رہے۔ جب چور کو پکڑ کر لائے تو خواجہ صاحب نے اسے سامنے بٹھا کر تبسم فرماتے ہوئے کہا بھائی تجھے جُوتے کی سخت ضرورت تھی اس لئے کہ جلدی سے بھاگ گیا تھا۔ پھر تو

نے جب میرے درویشوں کو آتے دیکھا تھا تو جُوتے کو کسی گھاٹی وغیرہ میں ڈال دیتا تو بچ جاتا۔ اب تو چور ثابت ہو گیا ہے۔ ہم تجھے ایسی سزا دیں گے جو اس سے پہلے کسی چور کو نہیں دی گئی۔ اس نے عرض کی جیسے حضور کی مرضی خواجہ صاحب نے حافظ بدرالدین صاحب کو فرمایا کہ اسے جُوتیوں کے لئے ایک روپیہ دے دو۔ وہ زمانہ ارزانی کا تھا۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

راقم الحروف عرض رساں ہے

بُریاں نوں بُرائی دی سزا دیون تے سَوکھی
نیکی کرنوں نال بُرے دے تاں رب راضی ہوسی

باخلاق مردان بغایت رسند
پذیرد سخن ریاض ہوشمند!

نال اخلاق دے اللہ والے پہنچن مولیٰ تائیں
ریاض رکھے ایہہ گلاں سچیاں کوئی منکے ناہیں

بزرگانِ دین کے تصرفات

صاحب بشارت الابرار فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بار ہا فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ فخر الدین پیر و مرشد حضرت خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا ۔ کہ پیر کو اتنی قوت و طاقت ہونی چاہیئے ۔ کہ مثلاً سنو مرید اگر یک
وقت مرض موت میں مبتلا ہو جائیں اور ہر ایک کے درمیان دو سو کوس کا فاصلہ
ہو تو پیر ہر ایک کے سر پہ اس کے ایمان کی حفاظت کے لئے موجود ہو سکے
یہ اطلاع بادشاہ وقت تک بھی پہنچ گئی ۔ وہ تعجب کرنے لگا ۔ اور وزیر کو کہا ۔ کہ
کوئی ایسا طریقہ ہو کہ اس بات کا امتحان ہو جائے ۔ وزیر نے کہا ۔ چند لوگ ایسے ہوں
جن کے گھر ایک دوسرے سے دور ہوں ایک وقت میں حضرت کی دعوت کریں ۔
اور سب ایک ہی وقت میں بلائیں تو معاملہ صاف ہو جائیگا ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا
گیا ۔ اور حضرت نے سب کی دعوت قبول کرلی اور آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوئے
اور خادم کو حکم دیا کہ جب کوئی بلانے آئے تو مجھے باہر سے آواز دے دینا ۔
اور میں جب چلا جاؤں تو فوراً دروازہ بند کر لینا ۔ خادم نے یونہی کیا اور ہر
ایک کے گھر کھانا تناول فرمایا ۔ اور حجرہ میں بھی بدستور قائم رہے ۔ دوسرے
دن ہر ایک نے کہا کہ فلاں وقت حضرت میرے گھر کھانا تناول فرما رہے تھے ۔
بادشاہ بعد از بیانات نادم ہوا ۔ اور اسے تسلیم کرنا پڑا ۔ کہ اللہ والے ہر وقت اپنے
تمام متعلقین کے ہاں پہنچ کر باذن اللہ ان کی مشکلکشائی کرتے ہیں ۔

استعداد اور قابلیت کے موافق عطا ہوتی ہے

صاحب بشارت الابرار فرماتے ہیں کہ ایک دن مولٰنا محمد فواز صاحب
و دیگر احباب حاضر خدمت تھے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ۔ کہ علوم ظاہری
ہوں یا باطنی یا کوئی اور کسب ہو اس کا دار و مدار فطری قابلیت پر ہے ۔ جتنی

استعداد ہوانہی ہی عطا ہوتی ہے ورنہ استاد اور مرشد کی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ میرا شاگرد یا مرید زیادہ سے زیادہ کمال سے سرفراز ہو کر اپنے ہمعصروں پر سبقت حاصل کرلے۔ صدق السعدی علیہ الرحمۃ الی یوم القیمۃ سہ

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم وخس

نیز صاحب بشارت نے تحریر فرمایا ہے سید احمد شاہ صاحب کے خط کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس راستہ میں صبر سے کام لینا چاہیئے پہاڑ کی طرح پختہ رہنا چاہیئے تب جا کر کہیں دروازہ کھلے گا۔ کم کھانا اور کم پینا چاہیے اور اورادو وظائف میں مضبوط رہنا چاہیئے۔ تدریس کرنی چاہیئے۔ چھوٹے بچے کو پڑھانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ رات کو عبادت کرنی چاہیئے۔ کسی دنیا دار کے دروازے پر برائے حاجت نہ جانا چاہیئے اور کسی سے نذرانہ نہ مانگنا چاہیئے۔ اگر کوئی بخوشی پیش کرے تو لینے میں حرج نہیں۔ اورادو وظائف کے وقت دروازہ بند کرکے علیحدگی اختیار کرنی چاہیئے۔ خواہ کوئی کیوں نہ باہر چلاتا رہے اگر واردات کا غلبہ ہو جائے تو فرائض و سنت مؤکدہ کے علاوہ نفلی وظائف ترک کر دینے چاہئیں۔ زیادہ کھڑک سے بھی بچنا چاہیئے۔ کھانے کی چیزوں کے لئے اگر کوشش کرنی پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ عشق حقیقی میں مست رہنا چاہیئے۔ نابالغ لڑکوں کی مجلس زہر قاتل ہے۔ تعویذ لکھنے بھی چاہیئے اور ان سے پرہیز بھی چاہیئے (یہ بات حالات پر موقوف ہے) آرام کے لئے بستر نرم چاہیئے۔ از روئے حدیث نفس کا بھی انسان پر حق ہے۔ لہذا اسے

ہمیشہ مشقت میں نہ رکھنا چاہیئے۔ سخت سردی کے موقع پر حجرے میں آگ جلانا چاہیئے۔ اگر کھانا کھائے تو ضرور اس میں سے تھوڑا بہت دینا چاہیئے تاکہ اس کی زکوٰۃ نکلتی جائے۔ بچا ہوا کھانا خدمت گزار کو دینا چاہیئے ضروری چیزوں کے لئے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تیس روپے تک تو قرض میں ادا کردوں گا۔ سبحان اللہ حضرت خواجہ کی اس جامع مانع تقریر کو دیکھ کر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ خیر الکلام ما قلّ ودلّ کے ماتحت خواجہ علیہ الرحمۃ نے دریا کو کوزے میں بند فرما کر اپنے خدام کے لئے تا قیام قیامت مشعل راہ بنا دیا۔ و نسئل اللہ التوفیق للعمل والموفق للصواب۔

بیعت ثانی کے متعلق حضرت کا ارشاد

صاحب بشارت نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک روز ایک عمر رسیدہ آدمی خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ شخص اچھا خاصا مولوی اور خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی مرحوم کا مرید تھا۔ اس نے خواجہ صاحب میرویؒ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے خواجہ سیال علیہ الرحمۃ کی بیعت اس طرح فسخ کی ہے کہ بجائے نماز روزہ کے بھنگ بوزہ کا عادی ہو گیا اور ایک بد نہاد ملنگ سے رابطہ قائم کر کے ساری عمر منکرات اور لہو و لعب میں صرف کر دی۔ اب میں اپنے کردار پر پشیمان ہوں اور میرے پیر صاحب دنیا کو داغِ مفارقت دے چکے ہیں اور بغیر آپ کے دربار گوہر بار کے مجھے کوئی

دروازہ نظر نہیں آیا۔ لہذا آپ براہ کرم مجھے بیعت فرمایئے۔ تاکہ میرا
خاتمہ بالخیر ہو۔ حضرت نے فرمایا۔ مولوی صاحب پیر کامل کی بیعت خونی
اژدہا سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس طرح اس کے ڈسنے کا کسی نہ کسی
وقت اثر ظاہر ہوتا ہے اور مار گزیدہ مرجاتا ہے اسی طرح تمہارا برائیوں
سے نادم ہونا اس بیعت کی تاثیر ہے۔ لہذا تجھے دوسری دفعہ بیعت
نہیں ہونا چاہیئے بہرکیف اس نے بے صبری کا اظہار کیا تو حضرت نے
فرمایا۔ میں تجھے سفارش نامہ لکھ دیتا ہوں۔ اسے خواجہ سیال علیہ الرحمۃ
کی تربت انور پر رکھ کر نہایت عاجزی سے اپنا حال عرض کرنا۔ اگر حاجت
برآئی نہ ہوئی تو میرے پاس واپس آ جانا۔ غالباً تیرا کام ہو جائے گا۔
کچھ دنوں بعد مولوی صاحب کا خط آیا۔ کہ میرا کام میرے منشاء کے
مطابق ہو گیا ہے۔ لہذا آپ بھی عاجز کو دُعا سے یاد فرمایا کریں۔
نیز لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ صاحب کی محفل میں بیعت ثانیہ کا
ذکر ہوا تو آپ نے اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے حاضرین کو ایک واقعہ
بیان فرمایا۔ کہ ایک دفعہ حضرت فاضل شاہ صاحب تونسہ شریف جا رہے
تھے کہ ایک مولوی صاحب جسے شاہ صاحب سے تعارف تھا۔ ساتھ
چل پڑے۔ شاہ صاحب سے تعارف تھا ساتھ چل پڑے۔ شاہ صاحب
موصوف نے پوچھا کہ تونسہ شریف کیسے جا رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا
میری بیعت مولنا محمد علی صاحب مکھڈوی سے تھی اور ان کا انتقال ہو
گیا ہے لہذا میں دوبارہ بیعت کے ارادے سے جا رہا ہوں۔ شاہ صاحب

نے غصہ فرمایا۔ تو کافر ہونے کے لئے تونسہ شریف جا رہا ہے۔ مولوی صاحب تو اس وقت ڈر کر تائب ہوئے۔ مگر دل میں خیال کیا کہ شاہ صاحب سے پوشیدہ قبلہ عالم سے بیعت کی درخواست کروں گا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا۔ قبلہ عالم نے ناراض ہو کر فرمایا۔ دست مولوی صاحب دست من است، مولوی صاحب کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ تجھے استقامت سے کام لینا چاہیئے۔

نیز ایک دن حضرت خواجہ کی مجلس میں مولٰنا محمد نواز صاحب نے بیعت ثانیہ کے جواز میں صحابہ کرام کی حضرت صدیق اکبر سے بیعت کرنے سے استدلال کیا کہ جن لوگوں نے آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ السلام سے بیعت کی تھی انہوں نے آقا کے وصال شریف کے بعد ابوبکر صدیق سے بیعت کی تھی۔ تو خواجہ صاحب نے تبسم فرمایا۔ کہ صحابہ کرام کی بیعت خود حضور سرور کائنات سے کئی دفعہ ہوئی اور بعد از وصال خلفاء سے ہوتی رہی مگر وہ بیعت طریقت جو سلاسل میں مروج ہے نہ تھی بلکہ مختلف طریقوں کے تحت ہوتی رہی۔ کبھی بیعت ایمان کبھی بیعت جہاد، کبھی اخلاق حسنہ کے تحت ہوئی اور بیعت طریقت جو صوفیا میں مشہور ہے دوبارہ ہرگز جائز نہیں۔ البتہ کسی غیر شرع آدمی سے بیعت ہو تو اسے توڑنا چاہیئے لیکن فی الحقیقت دوسری بیعت نہیں کہلاتی۔ اس لئے کہ پہلی بیعت بیعت ہی نہ تھی البتہ استفاضہ اور افاضہ میں کوئی حرج نہیں۔

مدنی تاجدار حبیب پروردگار کا بے حد احترام

حضرت خواجہ سرکار دو عالم کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے۔ اور اہل بیت کا اعزاز بھی نہایت شفقت سے فرماتے۔ بشارت الابرار میں ہے کہ امرتسر کے رہنے والے چند آدمی حضور پُر نور کا قدم مبارک تمام علاقے میں پھراتے ہوئے میرا شریف پہنچے اور ایک سند نامہ اور قدم مقدس خواجہ صاحب کے سامنے لائے۔ سند کا مضمون یہ تھا۔ کہ یہ قدم امیر تیمور نے عرب سے ہندوستان لایا تھا۔ جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کو زوال ہوا۔ تو یہ قدم بعض خدمات کے صلہ میں سکھوں کے ہاتھ سے محبان رسول علیہ الصلوٰۃ السلام کے ہاتھ آیا۔ حاضرین نے قدم مبارک کی اصلیت پر تنقید کرنی چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ تعظیم کا حق یہ ہے کہ آدمی جب سُنے کہ یہ آقائے دو عالم کا قدم انور ہے۔ تو جان و دل سے اس پر فدا ہو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرح کہ وہ آپ کا اسم مُبارک بغیر فداہ ابی وامی کے نہیں لیتے تھے۔ سبحان اللہ۔ کیا ہی عجیب طریقے سے ادب کا سبق سکھایا۔ ادہر ہی اشارہ کیا تھا میرے آقا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا　　نہ بس اک جاں دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا

کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں!　　(از حدائق بخشش)

نیز خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ سادات کرام کی توقیر بھی ہمیں اسی طرح کرنی چاہیئے۔ خواہ ان کے اعمال کیسے ہوں۔ نیز علماء کے احترام کے متعلق مولنا محمد نواز صاحب نے بیان فرمایا۔ کہ میں ایک دن حضرت سے پہلے مسجد میں داخل ہوا۔ اور اپنا جوتا اتار کر مسجد میں رکھ دیا۔ حضرت کا انتظار تھا جب آپ تشریف لائے اور جوتوں کو دیکھا۔ تو سرفراز خان خادم کو حکم دیا۔ کہ جوتے مسجد میں خلاف ادب پڑے ہیں۔ انہیں باہر پھینک دو۔ سرفراز خان نے عرض کی۔ حضور یہ جوتے مولوی صاحب کے ہیں۔ حضرت خواجہ نے جوتے خود پکڑ کر فرمایا۔ میں نے مولوی صاحب کے جوتوں کی بے ادبی کی ہے پھر خود باترتیب رکھ دیئے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ میں بہت شرمندہ ہوا۔ اور استغفر اللہ پڑھنے لگا۔ صدق السعدیؒ ؎

چہ منعم بزرگان دین بودہ اند

کہ باز یر دستاں چنیں بودہ اند

حضرت کا تقویٰ اور پابندی جماعت

خواص و عوام حضرت خواجہ کے متعلقین میں یہ بات شہرت پذیر ہے۔ کہ آپ اس طرح کے متقی پرہیز گار تھے کہ ابتداء (سن تمیز) سے آخری دم تک تمام نمازیں باجماعت ادا کیں۔ حتیٰ کہ انتقال سے چند دن پہلے جب طبیعت کمزور ہو گئی تھی اور اٹھنے چلنے کی طاقت باقی نہ تھی تو آپ کے خدام حضرت کے حکم کے تحت چار پائی مسجد میں لاتے تھے۔ اور آپ

لوق دعا فرماتے ہیں کہ ہوا چلے۔ حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا۔ چالیس گنجے شمار کرو ہوا چل پڑے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا حضور گنجے شمار کر لئے ہیں۔ مگر ہوا نہیں آئی فرمایا تمہیں شمار میں غلطی ہوئی ہے اب میرے سامنے دوبارہ شمار کرو میں نے شمار کرنے شروع کئے۔ ابھی چالیس پورے نہ ہوئے تھے کہ ہوا چل پڑی۔ دیکھتے دیکھتے آندھی کی شکل بنتی گئی اور آسمان پر بادل چھا گئے اور باران رحمت کا نزول ہوا گرمی ٹھنڈک سے بدل گئی اور حضرت بمعہ احباب کے میرا شریف چلے گئے۔ سبحان اللہ اللہ والوں کی شان

نہ فاقہ رہا۔ غم بھی جاتا رہا کس عجب چیز ہے۔ انکے تعویذ سے

صاحب بشارت اور ذکر دلی دونوں نے بیان فرمایا ہے کہ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ میں تونسہ شریف کی زیارت سے فارغ ہو کر چند دن ملتان جا ٹھہرا ایک دن لوہاری دروازے سے گزر کر شام کی نماز با جماعت ادا کی نماز سے قبل جو روپیہ پیسہ میرے پاس تھا نکال کر رکھ دیا اور بعد از نماز ذکر اذکار میں مشغول ہو گیا اسی حالت میں تھا کہ ایک آدمی جس کا نام نور دین تھا اور اس نے مجھے نماز سے پہلے نقدیات علیحدہ رکھتے ہوتے دیکھا تھا مجھے نیک آدمی تصور کر کے قدموں پر آگرا۔ اور نہایت زاری سے رونے لگا۔ میں نے اسے تسلی دے کر پوچھا کہ تکلیف کیا ہے اس نے کہا حضور عیالدار اور بے حد مفلس ہوں دعا فرمائیں کہ مولائے کریم مجھے اس سختی سے نجات دے میں نے اسے ایک تعویذ دیا کہ اسے اپنے گھر با ادب طریقہ سے رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اس نے تجارت شروع کی اور مالا مال ہو گیا جب

کبھی ایسے اس طرف کا درویش مل جاتا تو وہ اس کی بے حد تعظیم کرتا کھانا کپڑا وغیرہ دیتا اور میرا شریف بھی ہدیئے تحفے بھیجتا رہتا اور جب ملاقات کے لئے میرا شریف آیا تو اس نے سارا واقعہ خود سنایا ہے

ان کے حریم ناز میں عقل و خرد کو کیا دخل
جن کی گلی کا ہر ذرہ ذرہ جہان ناز ہے
خواجہ کی قدرت دیکھ لے قدرت بے انداز ہے
اپنے خدا کی یہ عطا ان کو اے ریاض ہے

خدایا خیر دعا کے بغیر

مولینا محمد نواز صاحب نے کہا کہ ایک دن خواجہ صاحب بہت بڑے اجتماع کے ساتھ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے خراس کی طرف تشریف لائے (خراس مسجد سے مغرب کی طرف واقع ہے) اپنے بنگلہ شریف میں جانے کا خیال تھا تو کیا دیکھا کہ موضع کوٹیڑا کا ایک آدمی گائے لئے کھڑا ہے اس نے عرض کی کہ حضور یہ گائے بچے کو قریب نہیں ہونے دیتی۔ حضرت قبلہ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ بچے کو میرے پاس لاؤ اس نے ایسے ہی کیا آپ نے اس سے معانقہ کیا بوسہ دیا بغل میں لیا اور پھر کہا کہ اب بچے کو چھوڑ دو اور فرمانے لگے کہ گائے کہتی ہے کہ مجھ پر یہ بہتان ہے۔ میں تو بچے کو دودھ پلاتی ہوں بچہ جب گائے کے پاس پہنچا تو وہ انتہائی محبت سے چاٹنے اور دودھ پلانے لگی۔

ابیات از مولینا عنایت اللہ صاحب۔

اکثر الاوقات ایں مرد خدا :
باتبسم میکند حاجت روا
ایں تبسم مایۂ یحی الفطام :
فیہ عمر فیہ فرح والسلام

خدا تعالیٰ کی یاد۔ در علاقہ ایبٹ آباد
جنات کی چھیڑ چھاڑ۔ خواجہ صاحب کا ذکر دوازکا

نبلہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ سیر و تفریح کے زمانے ایبٹ آباد پہاڑی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا ہم راستہ پر جا رہے تھے۔ اور ایک آدمی ایک طرف بیٹھا ہوا نہایت خوش الحانی سے بآواز بلند غزلیں گا رہا تھا اور اتنی موثر آواز خدا تعالیٰ نے اسے دی تھی کہ اس نے ہمیں چلنے سے روک دیا جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے اسے غزل گانے کے متعلق کہا لیکن وہ نہ مانا۔ میں وہاں سے چل کر مغرب کی نماز کے قریب گاؤں میں جا پہنچا۔ اس گاؤں کے نزدیک ایک وادی تھی میں نماز پڑھنے کے بعد وہاں بیٹھ کر ذکر جہر کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سخت پتھر ہیبت ناک آواز کے ساتھ میرے قریب آگرا مگر میں بے فکر اپنے کام میں مصروف رہا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے پتھر ہر طرف سے آنے لگے میں نے خیال کیا کہ آدم زاد خواہ ہندو ہو یا مسلم ذکر الٰہی کو پسند کرتا ہے لہذا یہ ضرور شیطانوں کی حرکت ہے اگر میں آج ان کی حرکت سے بھاگ جاؤں تو یہ میرا پیچھا نہ چھوڑیں گے اور میں ان سے

کہاں تک دوڑتا پھروں گا۔ موت و زندگی قبضہ قدرت میں ہے با اطمینان
ذکر میں مشغول رہا اور جو پتھر آتے مجھے کسی نے نقصان نہ پہنچایا جب میں فارغ
تو نماز عشاء کا وقت قریب تھا۔ اور کمزوری کی وجہ سے سردی محسوس ہو رہی تھی
وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور خواجگان چشتیہ اہل بہشت کی امداد
کسی قسم کی امداد نہ پہنچی۔ والحمد للہ۔

شہادت کی کہانی بزرگوں کی زبانی

موضع لانیوالا کے ایک شخص نے اپنی عورت کو قتل کر دیا اور گرفتار ہو گیا۔ مقدمہ راولپنڈی سیشن جج کے سپرد ہوا ملزم نے موقف یہ اختیار کیا کہ مجھ سے یہ کام بے ہوشی میں سرزد ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے تین مشہور آدمیوں کو بطور گواہ مقرر کیا اول حضرت خواجہ احمد میروی علیہ الرحمۃ دوم سرکار پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمۃ سوم سردار محمد علی خان رئیس پنڈی گھیپ اس نے کہا کہ میں بیماری کی حالت میں مذکورہ دو بزرگوں سے تعویذ و دعا حاصل کرتا رہا۔ اور خانصاحب مذکور کو بھی میری اس بیماری کا علم تھا چنانچہ سیشن نے تینوں حضرات کے نام سمن جاری کر کے انہیں طلب کیا حضرت خواجہ چونکہ کچہری میں کبھی نہیں گئے تھے اس لئے سمنوں کی تعمیل تو نہ کی لیکن تاریخ معین پر راولپنڈی پہنچ گئے اور کچہری کے احاطہ میں اپنی بیل چادر بچھا کر تشریف فرما ہوئے۔ مع اپنے خدام کے تھوڑی دیر بعد حضرت پیر صاحب بھی تشریف لائے آپ کے لئے پہلے بڑی دری بچھائی گئی اور آپ بذریعہ ٹانگہ بڑی شان و شوکت سے تشریف لائے اور حضرت

خواجہ کی طرف توجہ فرمائی۔ حضرت قبلہ بھی اٹھ کر آگے بڑھے دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی اور پھر تشریف فرما ہوگئے۔ حضرت پیر صاحب نے تبسم فرماتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا کہ آپ ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انہیں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر آج تو دیکھنا پڑے گا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا اس سے پہلے تو خدا تعالیٰ نے بزرگان دین پیران عظام کے صدقے محفوظ رکھا ہے اب بھی اپنی حفاظت اور قاتل جس نے اتنا تردد کیا ہے اس کی رہائی کی درخواست پیران عظام کے حضور کروں گا۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقے درخواست قبول فرمائے گا مگر پیر صاحب نے پھر بھی مذکورہ بالا کلام کا تکرار فرمایا یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ظہر کی اذان ہوئی حضرت خواجہ صاحب چونکہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے آپ بمعہ رفقاء کے وضو میں مشغول ہوئے اور جناب پیر صاحب نے سابقہ وضو سے سنتیں شروع کیں اور سنت سے فارغ ہو کر اقامت باجماعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ صاحب بغیر ادائے سنت کے شریک جماعت ہو گئے دیگر احباب کوئی جماعت سے مل گئے اور کوئی رہ گئے جماعت کے بعد خواجہ صاحب نے سنتیں ادا فرمائیں اور اسی اثنا میں کچہری سے کسی نے آکر بتایا کہ تینوں بزرگوں کی شہادت کو ترک کر دیا گیا ہے اور امید ہے کہ ملزم بھی رہا ہو جائے گا۔ کہا گیا ہے کہ اس دن کچہری میں خلق خدا کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ حضرت صاحب ٹانگہ پر سوار ہو کر احاطہ کچہری سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ اکثر فرماتے تھے کہ میں نے تمام عمر انگریز کو نہیں دیکھا ان کی سلطنت میں کافی سیاحت

کا اتفاق ہوا مگر جب کوئی انگریز سامنے آیا تو اس پر اتنی ہی نظر پڑی جتنی بغیر قصد بوجہ مجبوری غیر محرم پر پڑجاتی ہے اس دن مخلوق خدا منتظر تھی کہ آج تو انگریز کو حضرت قبلہ دیکھیں گے مگر حضرت صاحب خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے مطمئن تھے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے کی لاج رکھ لی اور حضرت خواجہ کی کرامت اطراف اکناف میں مشہور ہو گئی

جس نے چھوڑی خدائی اور خدا کا ہوا
جہاں سارا اس کا ہے اے ابوالفقر

رام اور رانی سنو یہ کہانی

قبلہ عالیہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ ابتدائی زمانہ میں نکہ کلاں میں ایک ہندو مسمی رام کور رہتا تھا اور ہمارے درویشوں کو صابن و دیگر ضروری اشیاء بطور قرض دیتا تھا۔ جب انہیں پیسے میسر ہوتے تو ادا کر دیتے اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا۔ اور اس نے وصیت کی کہ میں حضرت صاحب کا مرید ہوں۔ میری لاش کو جلانے کی کوشش نہ کرنا بلکہ خواجہ صاحب کے حوالے کر دینا آخر وہ فوت ہو گیا تو ہندوؤں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل نہ کیا اور جلانے کی کوشش کی لیکن آگ اسے جلانے سے منکر ہو گئی۔ باوجود انتہائی جد و جہد کے ہندوؤں کو اسے دریا میں ڈالنا پڑا۔ اسی طرح مسمات رانی ہندوانی کا قصہ مائی نوران موضع وصول متصل تلہ گنگ والی نے ذکر کیا کہ رانی مذکورہ بھی بمعہ چند وصولر کی مسلمان مستورات کے میرہ شریف برائے زیارت آئی مسلم عورتوں نے بیعت کی

درخواست کی حضرت قبلہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ اپنی چادر کا کچھ حصّہ آگے کر کے
فرماتے کہ اس پر ہاتھ رکھو چنانچہ ایسے ہی کیا تو ان کے ساتھ رانی نے بھی ہاتھ
چادر پر رکھا حضرت صاحب نے کچھ تلاوت فرما کر چادر واپس لے لی اور چند
نصائح فرمانے کے بعد کہا کہ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح درود شریف اور ایک تسبیح
یا اللہ یا اللہ پڑھنا اب رانی مجبور تھی کہ نہ وہ نمازی اور نہ درود شریف کی
عادی حضرت قبلہ نے فرمایا رانی یا اللہ کا ورد کرتی رہے اور مائی نوراں مذکورہ
کو فرمایا کہ اسے درود شریف سکھا دینا مائی مذکورہ کا کہنا ہے کہ بمشکل میں نے اسے
درود شریف کا پہلا حصّہ پڑھایا وہ زمانہ انگریز کا تھا۔ ہندو ہر شعبے میں ملازم بلکہ
چھائے ہوئے تھے مسلمانوں کے لئے مشکل تھا کہ کسی ہندو کو مسلم بنا کر گھر لے آئیں اگر
کہیں ایسا طریقہ ہوتا تو فتنہ و فساد برپا ہو جاتا۔ قدرت خداوندی وظیفہ پڑھنے سے
رانی کے انداز بدل گئے اور وہ مسلمان معلوم ہونے لگی اور عموماً میرہ شریف
حاضری دینے لگی۔ ایک دفعہ اس نے میرہ شریف میں بھگوان سنہد و کی زوجہ سے
پانی مانگا تو اس نے تعصب کی رو سے پانی دینے سے انکار کر دیا اس کے گھر آگ
لگ گئی کافی نقصان ہوا ماری ماری حضرت خواجہ صاحب کے پاس آئی تو
وہاں مائی نوراں بیٹھی تھی اس نے کہا گوراں تو نے رانی کو پانی سے روکا حضرت
خواجہ صاحب نے مائی مذکورہ کو یوں کہنے سے منع فرمایا ابتداءً تو رانی دنیاوی
اغراض کے تحت آئی تھی لیکن آخر میں خواجہ صاحب کی عاشقہ بن گئی تھی
حضرت صاحب نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کئی دفعہ فرمایا رانی تجھے کیا چاہیئے
اس نے کہا حضور مجھے آپ کی محبت کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں جب

ہندوؤں نے اس کی مذکورہ حالت دیکھی تو کسی بہانے اسے گنگا لے گئے اور واپس آکر کہا کہ وہ مرگئی ہے حضرت صاحب یہ سن کر ملول ہوئے اور مائی نوراں سے پوچھا کہ اس کی لاش کا کیا ہوا۔ عرض کی حضور گنگا میں ڈال آئے فرمایا اچھا ہوا پردہ رہ گیا

لج پال پریتاں نوں توڑدے نہیں
جیہندی بانہہ پکڑن اوہ نوں چھوڑدے نہیں

غلاموں کے مقابلے گستاخوں کا ذکر

موضع پچھند کا رہنے والا ایک آدمی مسمی فتح خان قوم کا بھلا تھا۔ موضع تونت (جو میرا شریف کی مشرقی جانب ہے) آیا اور اپنے آپ کو سید اور مرد کامل ظاہر کیا اور بستی کے اکثر ناخاں لوگوں کو شیعہ مذہب کی تبلیغ کر کے اپنا معتقد بنانا شروع کر دیا وہاں کے چند خیر پسند لوگوں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں اس کی گمراہی کا تذکرہ کیا۔ حضرت خواجہ معہ سرفراز خان کے تونت بذریعہ سواری تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا ہمارے علاقہ میں تین حضرات کے سبب اسلام نے رونق حاصل کی ہے اول حضرت پیر طریقت رہبر شریعت قدوۃ السالکین حضرت غریب النواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دوئم مجاہدین ملت فخر اہل سنت آل مصطفےٰ جناب سید جلال شاہ صاحب اوچ شریف جناب و سیدنا شاہ عیسیٰ بلوٹ ان کی کتابوں کو دیکھو اگر وہ شیعہ تھے تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر وہ سنی تھے تو تم مخلوق خدا کو بے راہ نہ کرو۔ تم لوگوں

نے سر نیچے کر لئے اور کوئی جواب نہ دیا لیکن ایک بے تمیز نے بوجہ تکبر اونچے آواز سے
کہا کہ ہم ان لوگوں کی کتابیں کہاں تلاش کریں ہمارے لئے تو یہی سید رہبر ہیں ہم اہل سنت
و دیگر مذاہب کو نہیں چاہتے۔ حضرت صاحب اس بدبخت سے رنجیدہ خاطر ہو کر واپس
تشریف لائے خدائی شان کہ اسے درد قولنج نے تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیا اور بستی
پر ناگہاں ایک سفید ابر اٹھا اور اس قدر ژالہ باری ہوئی کہ تمام فصلیں برباد ہو گئیں چند
ایام کے بعد شدید بیماری نے موت کا طوفان برپا کر دیا لوگ غم کے مارے دربار میرا شریف
حاضر ہوئے اور نہایت عاجزی سے التماس کیا کہ ہم مذہب شیعہ سے توبہ کرتے ہیں اور اقرار
کرتے ہیں کہ آئندہ ہم اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر نماز روزہ کی پابندی کریں گے
حضرت خواجہ نے خوش ہو کر دعا خیر فرمائی اور آپ کی دعا سے جمیع مصائب دفع ہو گئے
والحمد للہ۔ نیز موضع توت کے نزدیک مکہ کلان کے رہنے والے مولینا فتح دین
صاحب نے بیان کیا ہے کہ مسمیان فیض گل و گل محمد حضرت خواجہ صاحب کو قوالی
سنایا کرتے تھے اور مسمی احمد خان نمبردار ان سے بیگار لیا کرتا تھا اور ناجائز تنگ کرتا تھا
انہوں نے حضرت خواجہ کے سامنے اس کا شکوہ کیا حضرت نے اسے نرمی سے سمجھایا
مگر وہ نہ مانا آخر ایک دن قوالوں نے عرض کی حضور اجازت دیجئے ہم مکہ کی سکونت
چھوڑتے ہیں حضرت صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ تشریف لے گئے اور نمبردار کو
نصیحت فرمائی اس نے سخت جواب دیا کہ یہ ہماری رعیت ہیں ہم انہیں معاف نہیں کرتے
پہلے وہ کوئی حیلے بہانے کرتا تھا لیکن اس دفعہ گستاخی سے کام لیا حضرت صاحب واپس
لوٹے مولوی صاحب موصوف نے کھانا لایا حضرت قبلہ نے حضرت فرمادی اور میرہ
شریف آ گئے آپ کی واپسی کے بعد نمبردار کا برادری سے کوئی اختلاف تھا زمین

کی وجہ سے نوبت جھگڑے تک پہنچی احمد مذکور اور اس کا بیٹا قتل ہو گئے اور قاتل گرفتار ہو کر پھانسی ہو گئے۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب حبیبہ وغضب اولیائہ نیز مولینا محمد نواز صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۱۲ھ جس میں حضرت صاحب کے ساتھ ٹکہ مذکور والے کنوئیں پر برائے سیر گیا وہاں پہنچ کر مجھے راولپنڈی جانے کا خیال ہوا میاں سید محمود بڈھالوی اور قاضی مہا لوی جو متعلم تھے میرے ساتھ چل پڑے رات ہم پنڈی گھیب کے قریب موضع اخلاص پہنچ گئے صبح سویرے روانہ ہو کر اشراق کے وقت ڈھوک عنایت جا پہنچے اور جو دانہ پانی مقسوم تھا کھایا پیا خیال کیا کہ کسی سایہ دار درخت کے تحت آرام کریں طبیعت کے موافق درخت نہ ملا اچانک ایک آدمی نے بتایا کہ یہاں ایک نہایت سایہ دار کمیر کا درخت ہماری اپنی ملکیت ہے۔ ہم نے اس کی نشان دہی چاہی اس نے ہمیں دکھایا موضع مذکور سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ ہم وہاں جا پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ یہ درخت خواجہ صاحب میروالی کی ملکیت ہے ہم نے کہا کیسے انہوں نے کہا ایک دفعہ حضور یہاں تشریف لائے اور اس کے تحت دن بسر فرمایا نہایت خوش ہوئے اور کہا کہ اسے کاٹنے سے بچانا بعد ازاں یہ ہمیشہ سرسبز رہتا ہے۔ کئی دفعہ لوگوں نے اسے کاٹنے کا قصد کیا لیکن مصائب میں گرفتار ہو گئے کئی دفعہ بکریوں کو اس کی شاخیں کھانے سے نقصان ہوا ایک دفعہ ایک جنگی ملنگ نے یہ کرامت سن کر غیرت کرتے ہوئے اس کے نیچے بول و براز کیا تو بے ہوش ہو گیا اور دونوں طرف سے اس کے بول و براز نکلنے لگے اسی حالت میں اسے کسی نے وہاں سے ہٹایا اس نے توبہ کی اور بمشکل بحال ہوا نیز ایک دفعہ ایک سکھ فوجی جماعت مع اہل و عیال کے یہاں سے گزرا اور تحت

سایہ اس نے آرام کیا ساربان کو کہا اونٹ چھوڑ دے تاکہ وہ پیٹ بھر سے ہم لوگوں نے اسے حقیقت سے آشنا کیا تو وہ بھلا برا کہنے لگا۔ اور ظلم و زیادتی سے درخت کو نقصان پہنچا کر چلا گیا ایک ہفتہ بعد ساربان واپس آیا ہم نے پوچھا اونٹ کہاں ہے رو کر کہا مر گیا اور جمعدار کے گھر مہینہ آیا وہ سب مر گئے وہ خود مقتول ہو گیا۔ میں توبہ کے لئے یہاں آیا ہوں

اپنے غلاموں کے لئے وہ میرو ی دلدار تھے
پر مگر گستاخوں کے لئے ننگی تلوار تھے

سید و طالب علم ان کے در پر تھے عزیز
ابو المنصر کہتے ہیں لیکن خود دنیا دار تھے

پشاور میں ضیاء پاشیاں

چونکہ پشاور میں حضرت قبلہ کے عقیدت مند ایک خاصی تعداد میں موجود تھے اور میراشریف عموماً حاضر ہوتے تھے مگر چونکہ ان ایام میں سفر کی آسانیاں اس طرح میسر نہ تھیں جس طرح کہ اب ہیں لہٰذا کافی تعداد میں ارادتمند حاضری سے محروم اور حضرت خواجہ کے لطف وصال دائمی کے خواہاں رہتے تھے مگر

بسیار دوری ضروری بود

کے ماتحت حاضری سے قاصر تھے اس بناء پر اہل پشاور کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ خواجہ صاحب تشریف لے جائیں۔ مگر خواجہ صاحب کوئی مستقل وعدہ نہ فرماتے تھے شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عقیدت مندوں نے خواجہ صاحب کی پشاور تشریف آوری

کے لئے مل کر مشورہ کیا اور رائے قائم کی کہ ایک وفد کی شکل میں ان لوگوں کو حاضر خدمت ہونا چاہیئے جنہیں حضرت قبلہ ازراہ شفقت زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ بابو غلام ربانی صاحب حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرزا بیدل صاحب محمد سلطان صاحب زرگر خانصاحب نخفو خان حاضر خدمت ہوئے اور اپنا خیال ظاہر کیا حضرت خواجہ کی عمر شریف ۹۰ نوے کے لگ بھگ تھی اور ریاضت و عبادت کی وجہ سے جسم اطہر بھی ناتواں ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ پہلے تو معذرت فرماتے رہے۔ لیکن انہوں نے مجبور کیا تو آپ کی سچی محبت اور خلوص کو ملحوظ فرما کر فرمانے لگے رکہ میں پنج شنبہ کے روز دس بجے صبح آٹھ شوال المکرم ۱۳۲۸ھ کو چھمب سے روانہ ہونگا جب خواجہ صاحب کی تشریف آوری کی پر مسرت خبر پشاور پہنچی تو خوشی کی لہر دوڑ گئی بالآخر تاریخ مقررہ سے پہلے مذکورہ افراد میں سے دو آدمی چھمب پہنچ کر خواجہ صاحب کے لئے سپیشل ڈبے کا انتظام کر لیا اور وہاں پشاور تمام احباب مہمانوں کے انتظام میں مشغول تھے حضرت خواجہ صاحب کے قیام کا انتظام دارالعلوم حنفیہ اسلامیہ واقع محلہ جٹاں میں کیا گیا وہ مقام نہایت سرسبز اور خوشگوار تھا۔

پیر طریقت کی روانگی

حضرت خواجہ بمع درویشوں کے اپنے فرمودہ وقت پر چھمب اور وہاں سے پشاور روانہ ہوئے باوجود سابقہ دعدہ کے سوا اطلاع نہ ہونے کے سینکڑوں ارادتمند اسٹیشنوں پر موجود تھے ان ایام میں گاڑی ساڑھے چار بجے پشاور

چھپاڑنی پہنچی تھی جب گاڑی نوشہرہ پہنچی تو نماز ظہر کا وقت تھا حضرت قبلہ نے احباب کو فرمایا ہر آدمی تازہ وضو بنا کر نماز باجماعت ادا کرے ہر ایک نے ایسے ہی کیا اور کافی وقت خرچ ہو گیا۔ گارڈ نے مجبوراً گاڑی چلانے کا حکم دیا حضرت صاحب ابھی نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے کی لاج یوں رکھی کہ انجن میں کوئی نقص پیدا ہو گیا جب آپ بمعہ رفقاء کے سوار ہو گئے۔ تو گاڑی بھی چلنے پر تیار ہو گئی اور آدھ گھنٹہ لیٹ چھپاڑنی سٹیشن پر جا پہنچی۔ وہاں آدمیوں کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی ہر طرف مخلوق خدا کا ہجوم نظر آتا تھا یہاں تک کہ باہر جانے کا راستہ بھی آدمی زادوں کی وجہ سے بند تھا آخر منتظمین نے خواجہ صاحب کو گزارنے اور باہر جانے کے لئے ایک گلی بنائی حضرت قبلہ اس راہ میں سے گزر کر اسٹیشن سے باہر تشریف لے گئے وہاں اسٹیشن کا انچارج انگریز تھا۔ حضرت خواجہ کی عزت وعظمت دیکھ کر اس نے عام اجازت دے دی کہ ٹکٹ پلیٹ فارم یاراہداری دیکھنے دکھانے کی کوئی حاجت نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

جب قادر کرم کماوے تاں دنیا کرے سلام
تے اوہ جب دور ہٹاوے تاں ویری کل جہان

اسٹیشن کے باہر بے شمار تانگے وغیرہ سواریاں منتظر کھڑی تھیں حضرت قبلہ بمعہ خدام کے کابلی دروازہ اور قصہ خوانی سے ہوتے ہوئے مدرسہ مذکورہ میں جا پہنچے تو عوام فرط محبت سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

سلام اے بادشاہ مسند اسلام دین
سلام اے سایہ خورشید رب العالمین

بے شمار مخلوق رات دن زیارت سے بہرہ یاب ہوتی رہی اور کتنے خوش نصیب حضرات بیعت سے بہرہ مند ہوتے۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نے نماز جمعہ مہابت خان کی مسجد میں جو اس وقت دوبارہ زیر تعمیر تھی ادا کی بعد از نماز آپ جب قیام گاہ میں واپس تشریف لائے تو میاں عبدالرحیم سیٹھی حاضر خدمت ہوتے ملاقات کے بعد انہوں نے کہا آپ کی بیعت کسی بزرگ سے ہے آپ نے فرمایا خاص بحضور کریم جناب خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس نے کہا آپ گرامی شریف سید فاضل شاہ صاحب کے دربار گوہر بار میں کس سلسلہ میں تشریف لے جاتے ہیں آپ نے جواب دیا وہ ہمارے پیر صحبت ہیں:

؎ جن کے صدقے میں ملی مجھ کو یہ شانِ حیات
وہ ہیں حضرت خواجہ سلیمان تونسوی

خواجہ کی دعا واہ واہ

ایک آدمی مسمی شہباز جو پختہ پل کے قریب دوکان کرتا تھا اور اس کا لڑکا بمقدمہ قتل پھانسی کا سزاوار ہو چکا تھا۔ اور تمام قانونی مرحلے ختم ہو چکے تھے شہباز نے نہایت درد سے اپنے بیٹے کا واقعہ عرض کیا اور دعا کا طالب ہوا۔ حضرت قبلہ نے فرمایا ایک دنبہ لاکر فقراء کو تقسیم کر دو اور بعد ازاں رحم کی اپیل کرو انشاءاللہ منظور ہو گیا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا اور اس کا لڑکا حضور فیض گنجور کے دعا سے نجات پا گیا۔ تیسرے دن خواجہ صاحب پرانے مریدوں کے گھروں میں تشریف لے گئے اور دعائیں کیں نیز اسی دن فرمایا کہ مسٹران نہمانی ہو چکی ہے۔ اب میں واپس جاتا ہوں

پر بروز اتوار بارہ بجے پشاور سے روانہ ہونے ہوئے مدرسے کی ترقی اور جو
بیماری علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اس کے رفع کے لئے دعا فرمائی اور جہاں سے گزرتے
ہزاروں احترام و اعزاز اسٹیشن پر پہنچ کر گاڑی پر سوار ہوئے۔ پھر اکوڑہ خٹک اترے
ہزاروں کا مجمع زیارت کے لئے موجود تھا نیز بانیٔ محفل جناب مطر دین صاحب بھی
بمع انتظام سواری موجود تھے حضرت صاحب کو اپنے دولتکدے پر لے گئے نماز کا وقت
تھا مسجد کلاں خاصی صاحب میں باجماعت نماز کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے کئی
ارادتمند سلسلے عالیہ میں شامل فرمائے گئے مجمع لگا ہوا تھا کہ ایک بچہ دوڑتا آیا اور حضور
کے پاؤں چومے تین دفعہ یہ معاملہ کر کے واپس چلا گیا اس جگہ حضرت اخون صاحب
اور حضرت مانکی صاحب کی مریدین میں بے حد اختلاف تھا حضرت قبلہ نے فرمایا کہ
حضور سرورکائنات کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں
ہونی چاہیے تو اخون صاحب کے غلاموں نے کہا کہ ہم مانکی شریف کے مرید ملا
صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے لیکن آپ کے فرمان کے بموجب پڑھ لی۔ سبحان اللہ
الصلح جمعہ نماز کے بعد آپ کی ملاقات کے لئے جناب حاجی سید مہرباں شاہ صاحب جو
طریقہ قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ کے پیر طریقت مانے جاتے۔ تشریف لائے اور
نہایت ادب سے خواجہ صاحب کی قدم بوسی کی کوشش کی حضرت نے پکڑ کر سینے
سے لگایا اور نہایت محبت سے نیاز و راز کی باتیں ہوتی رہیں ولی را ولی شناسد
پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر کیمبل پور تشریف لائے تو احباب کا ہجوم تھا اور کھانا
بھی حاضر رفقائے آرام سے کھانا کھایا ایک فوٹو گرافر باوجود منع کرنے کے فوٹو
لینے پر تیار تھا لیکن اس کا شیشہ ٹوٹ گیا حضرت صاحب کھانے سے فارغ ہو کر

گڑھی شریف تشریف لے گئے بعد ختم خدام کے جمعرات کو بسال شریف آئے کے عقیدت مند انتظار میں تھے وہ آپ کو اپنے غریب خانوں پر لے گئے وہاں کو الوداع کر کے چھب تشریف لائے اور جمعہ بخیر و خوبی میرا شریف پہنچ گئے۔ والحمد للہ علی ذالک ...

حضور حضرت خواجہ کا وصال پر ملال

آپ کے حالات و واقعات پڑھ لینے کے بعد کوئی ازلی بدبخت ہی آپ کے کمالات و کرامات کا منکر ہو سکتا ہے ورنہ اس قسم کے پابند شریعت و شمس ہدایت سے خرق عادت امور کا ثابت ہونا درحقیقت معمولی بات ہے اس لئے کہ سب سے بڑی کرامت استقامت فی الدین ہے۔ اور حضرت خواجہ بفضل اللہ استقامت میں ایک غیر متزلزل پہاڑ بلکہ اس سے بھی بالاتر تھے حقیر کو خواجہ صاحب کی سوانحیات اور تذکرے دیکھ کر اپنے آقا مولیٰ پیر طریقت رہبر شریعت مجاہد ملت فخر اہل سنت سیدی ابو الفضل حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب محدث اعظم لائلپوری علیہ الرحمۃ کا نقشہ یاد آ گیا آپ نے پاکستان میں بہت قلیل عرصہ میں ایسی استقامت کے سبب دہ بے حساب دین کی خدمت سرانجام دی ہے کہ جسے دنیائے اہل سنت قیام قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی اور اہل دین کا بچہ بچہ آپ کا مرہون منت ہے تو معلوم ہوا کہ استقامت بہت بڑی کرامت ہے کیوں نہ ہو مالک حقیقی نے فرمایا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الایۃ یعنی جنہوں نے اپنے رب کا اقرار فرما کر اس پر استقامت کی ان پر